ગુજરાત રાજ્યના શિક્ષણવિભાગના પત્ર-ક્રમાંક
મશબ / 1217 / 170 - 179 / છ, તા. 15/03/2017

اُردو

جماعت 12

ઉર્દૂ વાચનમાળા (પ્રથમ ભાષા) ધો. 12

عہد نامہ

بھارت میرا وطن ہے۔
تمام بھارتی میرے بھائی بہن ہیں۔
میں اپنے وطن سے محبت کرتا ہوں اور اس کے شاندار بوقلموں ورثے پر فخر کرتا ہوں۔
میں ہمیشہ اس کے شایان شان بننے کی کوشش کرتا رہوں گا۔
میں اپنے والدین، اساتذہ اور بزرگوں کی تعظیم کروں گا
اور ہر شخص کے ساتھ ادب سے پیش آؤں گا۔
میں اپنے وطن اور اہلِ وطن کو اپنی عقیدت پیش کرتا ہوں۔
ان کی فلاح و بہبودی میں ہی میری خوشی ہے۔

રાજ્ય સરકારની વિનામૂલ્યે યોજના હેઠળનું પુસ્તક

گجرات راجیہ شالا پاٹھیہ پستک منڈل
’ودیاین‘، سیکٹر–10-A، گاندھی نگر–382010

ગુજરાત રાજ્ય શાળા પાઠ્યપુસ્તક મંડળ
तमसो मा ज्योतिर्गमय

© گجرات راجیہ شالا پاٹھیہ پستک منڈل، گاندھی نگر

اِس کتاب کے جملہ حقوق بحق گجرات راجیہ شالا پاٹھیہ پستک منڈل محفوظ ہیں۔ درسی کتاب کے کسی بھی حصے کو کسی بھی صورت میں گجرات راجیہ شالا پاٹھیہ پستک منڈل کے ڈائریکٹر کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہیں کیا جاسکتا۔

پیش لفظ

این۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ کے ذریعے تیار کردہ نئے قومی نصاب کے ضمن میں گجرات سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ، گاندھی نگر نے ریاست کے سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری درجات کے مختلف مضامین کے نئے نصاب تیار کیے ہیں۔ جو حکومتِ گجرات کے تعلیمی شعبے کے ذریعے منظور کیے گئے ہیں۔

نئے قومی نصاب کے پس منظر میں تیار کردہ ریاست کے الگ-الگ مضامین کے نئے نصاب کے مطابق تیار کردہ **جماعت-12 اُردو** (مادری زبان) کی اس درسی کتاب کو اس سطح پر تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے مسرت ہوتی ہے۔

تصنیف وترتیب کی پینل کے اراکین نے اس درسی کتاب کے مسوّدے کی تشکیل کے عمل میں ہر بات کا پورا خیال رکھا ہے۔ این۔سی۔ای۔آر۔ٹی۔ نیز دیگر ریاستوں کے کورس، سِلیبَس اور درسی کتابوں کے معائنہ-جانچ کرنے کے بعد ریاست کی درسی کتابوں کو مزید صفات آمیز بنانے کے لیے مصنفین اور مرتبین نے کافی زحمت اٹھائی ہے۔

اس درسی کتاب کو شائع کرنے سے قبل اُس کے مسوّدے پر تعلیمی کارگزاری انجام دینے والے مدرّسین-ماہرین کے ذریعے کلّی طور پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ تبصرے میں تجویز کردہ ترمیم واضافے بھی کیے گئے ہیں۔ نیز متعلقہ منظوری کے عمل کے دوران گجرات سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری بورڈ، گاندھی نگر کا جانچ احوال حاصل ہونے کے بعد ترمیم اور اضافہ کرکے اس درسی کتاب کو تیار کی گئی ہے۔

طلبہ روز مرّہ کی زبان کا استعمال کرنے لگیں اور لسانی اظہار کو مزید مؤثر بنائیں یہی نئے نصاب کا مقصد ہے۔ ادبی اصناف اور تخلیقی زبان کے فروغ کے ہمراہ طلبہ زبان کی خوبیوں کو سمجھ کر اُن کا تحریری کام میں استعمال کریں یہ بھی ایک مقصود ہے۔ اس کے لیے لسانی اظہار نیز تحریر سے متعلق خاطر خواہ تفصیلات بھی دی گئیں ہیں اُن کے متعلق طلبہ کو مشق کرائیے۔

زیرِ نظر درسی کتاب کو دلچسپ، کارآمد اور خامیوں سے پاک بنانے کے لیے پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ تاہم تعلیم میں دلچسپی رکھنے والے افراد کے ذریعے حاصل ہونے والے اس درسی کتاب کی صفات میں اضافہ کرنے والے مشورے ہمیشہ قابلِ قبول ہوں گے۔

پی۔ بھارتی (IAS)
ڈائریکٹر
تاریخ : 21-11-2019

پاٹھیہ پُستک منڈل
گاندھی نگر

مشیر مضمون
جناب ایم۔ جی۔ بمبئی والا

تصنیف-تالیف
جناب جی۔آئی۔ شیخ
ڈاکٹر اختر شاہ شیخ
محترمہ نسیم اختر
محترمہ شاہینہ قادری
جناب خالد شیخ
محترمہ سائرہ بانو پٹھان
ڈاکٹر ذاکرہ صدیقی

تبصرہ
محترمہ شریف النساء قاضی
جناب عبدالرشید شیخ
جناب عمر جی محمد یعقوب
جناب محمد جنید مانکو جیا
جناب محمد نعیم

ترتیب واشاعت ترتیب
شری ہرین پی۔ شاہ
(منڈل کے نائب دائریکٹر، اکیڈمک)

طباعت ترتیب
شری ہریش ایس لمباچیا
(منڈل کے نائب ڈائریکٹر- پروڈکشن)

طباعت- 2017 طباعتِ نو- 2020

ناشر : گجرات راجیہ شالا پاٹھیہ پستک منڈل-'وِدیاین'، سیکٹر 10-A، گاندھی نگر کی جانب سے۔ پی۔ بھارتی (IAS)، ڈائریکٹر۔
طابع :

بنیادی فرائض

بھارت کے ہر شہری کا فرض ہوگا کہ وہ :

(الف) آئین پر کاربند رہے۔ اور اس کے نصب العین اور اداروں، قومی پرچم اور قومی ترانے کا احترام کرے؛

(ب) ان اعلیٰ مقاصد کو عزیز رکھے اور ان کی تقلید کرے جو آزادی کی تحریک میں قوم کی رہنمائی کرتے رہے ہیں؛

(ج) بھارت کے اقتدار اعلا، اتحاد اور سالمیت کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر کے اُن کا تحفظ کرے؛

(د) ملک کی حفاظت کرے اور جب ضرورت پڑے قومی خدمت انجام دے؛

(ہ) مذہبی، لسانی اور علاقائی وطبقاتی تفرقات سے قطع نظر بھارت کے عوام النّاس کے مابین یک جہتی اور عام بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دے نیز ایسی حرکات سے باز رہے جن سے خواتین کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہو؛

(و) ملک کی مِلی جُلی ثقافت کی قدر کرے اور اُسے برقرار رکھے؛

(ز) قدرتی ماحول کو جس میں جنگلات، جھیلیں، دریا اور جنگلی جانور شامل ہیں محفوظ رکھے۔ اور بہتر بنائے اور جانوروں کی جانب محبت وشفقت کا جذبہ رکھے؛

(ح) دانشورانہ رویّے سے کام لے کر انسان دوستی اور تحقیقی واصلاحی شعور کو فروغ دے؛

(ط) قومی ملکیت کا تحفظ کرے اور تشدّد سے گریز کرے؛

(ی) تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کی بہتر کارکردگی کے لیے کوشاں رہے تاکہ قوم متواتر ترقی وکامیابی کی منازل طے کرنے میں سرگرم عمل رہے۔

(ڈ) والدین یا سرپرست اپنے 6 سے 14 سال تک کی عمر کے بچّوں کو لازماً تعلیم کا موقع فراہم کریں۔

---

* بھارت کا آئین : دفعہ 51-الف

فہرست

(1)	موجِ کوثر	نعت	اقبال احمد خاں سُہیل	1
(2)	غدر کی سیدانی - ذکیہ بیابانی	کہانی	خواجہ حسن نظامی	3
(3)	رسم ورِواج کی پابندی کے نقصانات	مضمون	سر سیّد احمد خاں	7
(4)	پھول	نظم	علّامہ اقبالؔ	14
(5)	غزل	غزل	مرزا رفیع سوداؔ	16
(6)	شطرنج کی بازی	کہانی	پریم چند	18
(7)	ظلِّ سبحانی	افسانہ	جیلانی بانو	27
(8)	قصیدہ	قصیدہ	شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ	34
(9)	غزل	غزل	مومن خاں مومنؔ	36
(10)	چہلم	مزاحیہ مضمون	مشتاق احمد یوسفی	38
(11)	سایہ	کہانی	قاضی عبد الستار	42
(12)	بھؤل	نظم	آنند نرائن مُلّا	46
(13)	غزل	غزل	آرزوؔ لکھنوی	49
(14)	دربارِ لکھنؤ	افسانہ	مرزا رجب علی بیگ سرورؔ	51
(15)	سفرنامہ	سفرنامہ	ڈاکٹر قیصر ضحٰی عالم	56
(16)	ہمالہ	نظم	حفیظؔ جالندھری	60
(17)	غزل	غزل	فانیؔ بدایونی	63
(18)	یادوں کی بارات	اقتباس	جوش ملیح آبادی	65
(19)	بیٹی (یک بابی ڈرامہ)	ڈرامہ	فیروز رشید	70
(20)	میرے عہد کے حسینو	نظم	ساحرؔ لدھیانوی	82
(21)	غزل	غزل	عزیزؔ نبیلؔ	85
(22)	ابوریحان بیرونی	خاکہ	مولوی عبد الحق	87
(23)	دُکھوا میں کاسے کہوموری سجنی	کہانی	چترسین شاستری	91
(24)	نعتیہ گیت (اودھی)	گیت	عنبر بہرائچی	98
(25)	غزل	غزل	محمد علوی	100
(26)	خوددار	افسانہ	بلونت سنگھ	102
(27)	سیتاجی کی گریہ وزاری	نظم	سُرور جہان آبادی	108
(28)	رُباعیات	رباعیات	امجد حیدرآبادی	110
(29)	سانیٹ	سانیٹ	علیم صبانویدی	112

اضافی پڑھائی

(1)	قصہٴ حاتم طائی	سیّد حیدر بخش حیدری	115
(2)	غزلیں	شہریارؔ، افتخارؔ، قتیلؔ	125
(3)	مرزا غالب پر دو آنسو	راشد الخیری	128
(4)	کشتی	انتظار حسین	130
(5)	مسجد	اختر الایمان	137
(6)	زندگی سے ڈرتے ہو	ن۔م۔راشد	139

اصنافِ سخن

(1)	سانیٹ	141
(2)	قصیدہ	143
(3)	یک بابی ڈرامہ (ایکانکی)	145
(4)	مختصر افسانہ	147

1 موجِ کوثر (نعت)

اقبال احمد خاں سُہیل

پیدائش : 1884 وفات : 1955

اقبال احمد خاں سُہیل سُوات پاکستان کے رہنے والے تھے۔ بارہ سال تک سُہیل فارسی زبان میں لکھتے رہے اور فارسی میں اشعار کہتے رہے۔ اعظم گڑھ میں اپنے نانا کے یہاں مقیم تھے تب علاّمہ شبلی کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ 1914ء میں بغرض تعلیم علی گڑھ گئے۔ ایم.اے. اور ایل.ایل.بی. کرنے کے بعد اپنے وطن واپس گئے اور وکالت میں شہرت حاصل کی۔ انہوں نے مذہب وسیاست میں تطبیق پیدا کی۔ انہوں نے علمی دلائل کی بنیاد پر متحدہ قومیت کے تصوّر کو اسلام سے ہم آہنگ کیا۔ ان کی نظموں کا مجموعہ 'تابشِ سہیل' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اس نعت میں اقبال احمد خاں سہیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات، آمد، اخلاق اور خوبیوں کو بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

احمدِ مرسل فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم
مظہرِ اوّل، مُرسلِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلّم

جسم مُزکّٰی روحِ مصوّر، قلبِ مجلّٰی، نورِ مقطّر
حُسنِ سراپا خیرِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلّم

طینت جس کی سب سے مُطہر، بُعثت جس کی سب سے موخّر
خلقت جس کی سب پہ مقدّم صلی اللہ علیہ وسلّم

جس کی ہراول فوجِ سلیمانؑ جس کے منادی موسیٰؑ و عمرانؑ
جس کے مبشّر عیسیٰؑ مریمؑ صلی اللہ علیہ وسلّم

برمغِ فارِس قدس کے رہباں، کشورِ بابل، وادیٔ کنعاں
سب کی زباں پر مژدۂ مقدم صلی اللہ علیہ وسلّم

باغِ جہاں کا حارس نامی، جس نے مٹائی رسمِ غلامی
پھر سے سنوارا گلشنِ آدمؑ صلی اللہ علیہ وسلّم

بچھڑے ہوئے گلے کو مِلایا، نسل وطن کا فرق مٹایا
رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم صلی اللہ علیہ وسلّم

وہم کی ہر زنجیر کو توڑا، رِشتہ ایک خدا سے جوڑا
شِرک کی محفل کردی برہم صلی اللہ علیہ وسلّم

الفاظ ومعانی

مرسل پیغام پہنچانے والا **مظہر** ظاہر **طینت** طبیعت، عادت **بعثت** رسالت، پیغمبر کا بھیجا جانا **خلقت** مخلوق، لوگ **برمغ آتشکدہ برمغِ فارس** ایران کا آتِشکدہ **کشورِ بابل** بابل کا شہر **وادیٔ کنعاں** یوسف علیہ السلام کی جائے پیدائش **مژدہ** خوشخبری، بشارت **ہراول** لشکر کا ابتدائی حصّہ **حارس** چوکیدار، محافظ

مشق

1. **مندرجہ ذیل سوالوں کے جواب لکھیے :**
   (1) مظہرِ اوّل اور مرسلِ خاتم سے شاعر کی کیا مراد ہے ؟
   (2) شاعر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی صفات بیان کی ہیں ؟
   (3) شِرک کی محفل کیسے برہم ہوگئی ؟
   (4) 'رہ نہ گیا کچھ تفرقہ باہم' سے شاعر کس بات کو سمجھانا چاہتے ہیں ؟
2. **ذیل کے شعر میں کس صنعت کا استعمال ہوا ہے ؟**
   (1) جس کی ہراوّل فوجِ سلیمانؑ جس کے منادی موسیٰؑ وعمرانؑ
   جس کے مبشّر عیسیٰؑ ومریمؑ صلی اللہ علیہ وسلم
   (2) اس نظم میں تلمیح کے علاوہ اور کس صنعت کا استعمال ہوا ہے ؟
3. **اشعار کی تشریح کیجیے :**
   (1) وہم کی ہر زنجیر کو توڑا رِشتہ ایک خدا سے جوڑا
   شرک کی محفل کردی برہم صلی اللہ علیہ وسلم

●

2 غدر کی سیدانی - ذکیہ بیابانی

خواجہ حسن نظامی

پیدائش : 1878 وفات : 1955

خواجہ حسن نظامی حضرت نظام الدین اولیاء کے خواہرزادے تھے۔ ان کا شمار ہندوستان کے بڑے صوفیوں میں ہوتا ہے اور ان کا حلقہ اثر بہت زیادہ وسیع ہے۔ انہیں ابتدائی سے اخبارات میں مضامین لکھنے کا شوق تھا۔

خواجہ حسن نظامی کی تحریر شہد کی سی مٹھاس، دِلکشی اور بےتکلّفی ہوتی تھی۔ وہ معمولی مضمون کو نہایت دِلکش اور موثر پیرائے میں بیان کر دیتے ہیں۔ ان کی زبان سادہ، شگفتہ اور شیرین ہونے کی وجہ سے قبول عام کر چکے ہیں۔ ان کی اہم تصانیف میں 'کرشن بیتی'، 'یزید نامہ'، 'محرم نامہ'، غدر دہلی کے افسانے'، 'چٹکیاں'، 'گدگدیاں' وغیرہ مشہور ہیں۔

انہوں نے انیسویں صدی کے ہمارے تہذیبی المیے کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا۔ قلعۂ محلّہ کی زندگی پر ان کی خاص نظر تھی اور انہوں نے قلعہ میں پروان چڑھتی ہوئی ہماری شاہی زندگی سے اپنی کہانیاں لکھی ہیں۔ ایسی ایک کہانی غدر کی ایک سیدانی یعنی سیلانی بی بی کے دردناک حالات کا انہوں نے سامنا کیا وہ بیان کیے گئے ہیں۔

سید نور الہدیٰ نے دس مئی 1858ء کی صبح کو اپنی بیوی نقیہ اور لڑکی ذکیہ سے رات کا اپنا ایک خواب بیان کیا اور کہا ''میں نے ایک ہولناک آگ آسان پر برستی دیکھی ہے جس سے آدمی اور جانور جل جل کے مر رہے ہیں۔ میرے ذہن میں اس کی تعبیر یہ آتی ہے کہ ملک میں کوئی خوفناک فساد ہونے والا ہے۔''

ذکیہ نے کہا ''فساد کی تعبیر آپ نے کیوں کی۔ قحط، بیماری وغیرہ بلائیں بھی تو اس خواب سے مراد ہوسکتی ہیں۔''

سید نور الہدیٰ نے فرمایا ''مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ تم نہیں جانتیں۔ میں آج کی تاریخ سے پورے سو برس تک کے حالات جانتا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہم کو سو برس آئندہ تک کے واقعات بتا دیئے ہیں۔ میں اپنی شہادت، تمہاری مصیبت اور اے ذکیہ تیری دردناک پریشانیاں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، مگر اُف نہیں کرسکتا کہ مشیت کا لکھا پورا ہو کر رہے گا۔''

ذکیہ سن سن کر خوف زدہ ہوگئی، لیکن چونکہ تعلیم یافتہ تھی، مطمئن ہوکر بولی، ''جب آپ کو سب کچھ دکھا دیا گیا ہے تو ہماری اور اپنی سلامتی کے لیے دعا کیوں نہیں کرتے۔''

سید نور الہدیٰ نے فرمایا ''اس واسطے دعا نہیں کرسکتا کہ مجھ کو دکھا دیا اور بتلا دیا گیا ہے کہ ازل کا نوشتہ ان مٹ ہے۔ اعمال کی سزا کا ملنا لازمی ہے۔ اس میں کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں ہے۔ اے ذکیہ! میں امام ہشتم کی اولاد میں ہوں۔ میرا نسب آج تک بالکل درست اور صحیح ہے اور خدا کے فضل سے میرے اعمال بھی برے نہیں ہیں۔ میری شہادت اعمال ذاتی کی سزا نہیں، بلکہ اجداد کی سنت ہے۔ تو اور تیری ماں کو بھی یہی خیال رکھنا چاہیے کہ اپنے بزرگوں کی طرح مصیبتوں میں صبر وسکون سے کام لینا۔ گھبرا نہ جانا کہ ہمارا خون ایک دن امت رسولؐ کی بہتری کے کام آنے والا ہے۔''

نامفہوم الفاظ

یہ کہہ کر سید صاحب نے ایک جذب کی سی حالت میں فرمانا شروع کیا ''ایک برس میں خون، دوسرے برس میں بربادی، تیسرے سال ٹھوکریں، چوتھے سال زوال، وبال، بھونچال، پھر جھولا۔ کوئی نیچے آئے گا۔ کوئی اوپر جائے گا۔ اس کے بعد ساٹھ برس گذر گئے تو خون، بے امنی۔ دریا زمین کو نگل گیا۔ زمین سورج کو کھا گئی۔ لوہا اور تانبا بولنے لگا اور زبانیں گونگی ہوگئیں۔ دو پیسہ کا مزدور تخت پر اور تخت چھپر کے اندر۔ مٹی کے چراغ میں لعل بدخشاں کی روشنی۔ ذکیہ کے بچے تازیانے کی سرکشی، مسلمان پہاڑ پر اور سب زمین پر۔''

سید صاحب یہ فرماتے فرماتے چپ ہوگئے اور رونے لگے۔ ذکیہ اور نقیہ دونوں پر ایسی ہیبت چھائی کہ منہ سے کچھ نہ بول سکیں اور چپ چاپ یہ مجذوبانہ باتیں سنتی رہیں۔ یہاں تک کہ سید صاحب اٹھ کر باہر چلے گئے۔

غدر

آخر 1858ء کا مشہور غدر شروع ہوگیا۔ میرٹھ کی فوج باغی ہوکر دہلی میں آئی اور وہ آفت مچائی کہ سب معاملات زیر وزبر ہوگئے۔ ذکیہ اور اس کے والد تہورخان کی مسجد کے پاس ایک مکان میں جو دہلی کے معمولی مکانوں کا نمونہ تھا، رہتے تھے۔ غدر شروع ہوا تو سید نور الہدیٰ نے گھر سے نکلنا ترک کردیا۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے دوبارہ دہلی پر تسلط حاصل کرلیا۔ باغی بھاگ گئے۔ بہادرشاہ قلعہ چھوڑ کر فرار ہوئے اور گرفتار کئے گئے۔

شہر کی لوٹ اور گرفتاریوں کے زمانہ میں بھی سید صاحب گھر سے نکلے۔ آخر ایک فوجی جمعیت ان کے گھر میں گھسی اور سید صاحب کو گرفتار کرلیا۔ اسباب لٹ گیا۔ فوج کا افسر انگریز تھا۔ اس نے کہا ''کیا تم ہی سید نور الہدیٰ ہوں؟ اور تم ہی نے افواج کے فلاں فلاں سرداروں کو خط لکھے تھے کہ انگریزوں کا قتل عام لوح محفوظ پر میں نے لکھا دیکھا ہے۔''

سید صاحب نے کہا ''ہاں میں وہی نور الہدیٰ ہوں۔'' افسر نے تعجب کے لہجے میں کہا ''تم اپنے جرم کا اقرار کرتے ہو؟'' سید صاحب نے کہا ''اپنی تحریر کا مجھ کو اقرار ہے۔ جرم کا اقرار نہیں۔'' انگریز بولا ''کیا تم اس کو جرم نہیں سمجھتے کہ جاہلوں کو ایک جھوٹی بات لکھ کر قتل عام پر راغب کیا۔'' سید صاحب نے اس کا جواب کچھ نہ دیا اور آسمان کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ ان کو ہنستا دیکھ کر انگریز افسر کو غصہ آیا اور اس نے ایک سنگین ان کے ہونٹوں پر ماری جس سے ان کا جبڑا کٹ گیا اور خون داڑھی پر بہنے لگا۔ ذکیہ دیکھ کر چیخی ''ہائے میرے ابو۔'' سید صاحب نے زخم کھا کر بھی گھبراہٹ ظاہر نہ کی اور پھر آسمان کو دیکھا اور خون اپنے چہرے اور سینہ پر ملنے لگے۔ یہ دیکھ کر افسر نے اشارہ کیا اور ایک سپاہی نے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ سید صاحب دو ٹکڑے ہوکر گر پڑے۔

اس کے بعد فوج باہر چلی گئی ا ورعورتوں سے کچھ عرض نہ کیا۔ ذکیہ اور نقیہ نے یہ عالم دیکھ کر پہلے تو بہت نوحہ وبکا کیا۔ اس کے بعد شہید کی میت دفن کرانے کا سامان کرنے لگیں، مگر دہلی میں اس وقت کوئی نہ تھا جو ان کی مدد کو آتا۔ آخر انہوں نے خود ہی لاش کو انہی خون بھرے کپڑوں میں مکان کے صحن کو کھود کر دفن کردیا۔

گھر کا سب سامان لٹ گیا تھا، لیکن آٹا دال لکڑیاں موجود تھیں۔ انہوں نے چند روز ان سے بسر اوقات کی اور جب یہ ختم ہوگئیں تو کھانے کی فکر ہوئی۔

اس وقت شہر میں امی جمی (امن) کا اعلان ہو چکا تھا اور بھاگے ہوئے آدمی آ کر آباد ہورہے تھے۔ ذکیہ نے اپنی والدہ سے صلاح لے کر حاکم دہلی کے نام ایک خط لکھنے کی ٹھہرائی تا کہ اس سے کچھ امداد حاصل ہو۔ نقیہ نے کہا ''خط تو لکھ لوگی مگر اس کو پہنچائے گا کون۔'' ذکیہ نے کہا ''پڑوس میں جو عامل صاحب رہتے ہیں، سنا ہے وہ غدر میں نہیں بھاگے اور سرکار کے بڑے خیر خواہ ہیں۔ تم ان کے پاس جا کر یہ خط کسی طرح پہنچا دو۔'' نقیہ نے

اس تجویز کو پسند کیا اور خط لے کر عامل کے پاس گئی۔ عامل ایک نوجوان آدمی تھا اور گھر کی حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ عامل بہت خوش حال ہے۔

نقیہ نے برقع کے اندر سے عامل کو اپنی کیفیت سنائی۔ عامل نے بہت ہمدردی ظاہر کر کے کہا ''حاکم دہلی سے مدد کی امید نہ رکھو۔ سید صاحب کا نام بڑے باغیوں میں درج ہے اور سچ یہ ہے کہ انہوں نے فوج کو بھڑکانے میں بہت زیادہ حصہ لیا تھا۔ اگر تم قبول کرو تو میں خود کچھ حاضر کر دیا کروں گا۔'' نقیہ نے کہا ''ہم مفت خیرات کسی سے نہیں لے سکتے۔ تمہارا کچھ کام ہو تو اس کے بدلے جو دو گے، لے لیں گے۔'' عامل نے کہا ''ہاں اپنی لڑکی سے کہو کہ وہ میری کتابوں کی ایک فہرست بنا دے اور پراگندہ اوراق کو ایک جگہ کر دے۔ اس کے عوض میں تم کو دونوں وقت پکا پکایا کھانا اوپر کا سب خرچ دیا کروں گا۔''

نقیہ نے گھر آ کر ذکیہ سے یہ حال کہا اور اس نے اس نوکری کو قبول کرلیا۔ عامل نے ایک کمرہ بتا دیا جہاں کتابیں تھیں اور ذکیہ ونقیہ صبح سے شام تک وہاں کام کرنے لگیں۔

رڈی میں ایک خط

ذکیہ کاغذوں کو درست کر رہی تھی کہ اس کو ایک خط رڈی کاغذوں میں ملا ہوا دستیاب ہوا، جس کا مضمون یہ تھا:

''عامل صاحب کا تعویذ پہنچ گیا۔ ہم ہدایت کے موافق کام کرنے کو تیار ہیں۔ دھونی پنجاب سے آ گئی ہے۔ سید نور الہدیٰ صاحب بزرگ کے بارے میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے، معلوم ہوا۔ ہم عنقریب ان کی زیارت کو آئیں گے اور ان کی کرامات کے مطابق ان کو نذر دیں گے۔ ہم کو اوپری تکلیف بہت ہے۔ کیا آپ اس کے اتار کی کوئی ترکیب بتا سکتے ہیں۔ پہلے آپ نے کشمیر کے عامل کا پتہ بتایا تھا۔ اب ہم سب کی صلاح کشمیر کی ہوگئی ہے۔''

راقم آپ کا معتقد (ن۔ن)

ذکیہ اس خط کو پڑھ کر حیران رہ گئی اور اس نے بہت غور کے بعد سمجھا کہ یہ خط جنرل نکلسن کا ہے، جو حملہ دہلی کے وقت پہاڑی پر تھا۔ تعویذ سے مراد خفیہ اطلاع ہے جو عامل نے بھیجی ہوگی۔ پنجاب کی دھونی سے مطلب فوج وتوپخانہ ہے جو تعویذ کی رعایت سے ایک اصطلاح بنائی گئی ہے۔ اوپری تکلیف کا مطلب پہاڑی کے مورچوں کی تکلیف ہے اور اتار کا مقصد یہ ہے کہ دہلی میں داخل ہونے کی ترکیب بتایئے۔ کشمیر کے عامل سے مراد کشمیری دروازہ ہے جہاں سے فتح دہلی کے وقت حملہ ہوا اور سید نور الہدیٰ کی نذر ان کا قتل ہے۔ ذکیہ سمجھ گئی کہ ن۔ن سے مراد جنرل نکلسن ہے اور میرے باپ کی مخبری اسی عامل نے کی تھی۔ یہ خیال کر کے ذکیہ کی آنکھوں میں زمین وآسمان تاریک ہوگئے اور اس نے عامل سے اپنے باپ کا بدلہ لینے کی دل میں ٹھان لی۔

چنانچہ دوسرے دن رات کو وہ چھری لے کر عامل کے مکان میں گئی تاکہ سوتے میں اس کا کام تمام کردے، مگر اس نے جا کر دیکھا کہ عامل خواب گاہ میں نہیں ہے تو وہ مایوس ہوکر گھر واپس آ گئی۔ یہاں آ کر اس نے دیکھا کہ اس کی ماں کی لاش خون میں غلطاں پڑی ہے اور سرہانے ایک خط رکھا ہے جس پر لکھا ہے:

''ذکیہ تیرے ارادہ کا بدلہ اور اپنے رقیب کا انجام۔ تیری ماں مار ڈالی گئی کہ وہ مجھ کو تجھ تک پہنچنے میں سد راہ تھی۔ آج تو نے میرے مارنے کا ارادہ کیا تو میں نے اس کو قتل کر دیا۔ اب خط پڑھ چک کر تو دہلی سے باہر جانے والی ہے۔''

آخری فقرہ کو پڑھ کر ذکیہ ماں کا صدمہ بھول گئی اور چاہتی تھی کہ غل مچائے اور محلّہ والوں کو مدد کے لیے پکارے کہ کسی نے دوڑ کر اس کا منہ بند کرلیا۔

الفاظ ومعانی

غدر بغاوت **ہولناک** بھیانک **مشیت** مرضی **ان مٹ** نہ مٹنے والا **امام ہشتم** آٹھویں اِمام، اِمام علی رضا **زوال** عروج کی ضِد، پستی **وبال** عذاب، آفت **بھونچال** زلزلہ **لعل بدخشاں** بدخشاں کا موتی **مجذوبانہ** مجذوب جیسا انداز **تسلّط** غلبہ **جمعیت** لشکر، مجمع **نوحہ** گریہ وزاری کرنا، ماتم کرنا **مجذوب** بے خود۔

مشق

1. دیے گئے سوالوں کے مختصر جواب لکھیے :

(1) سیّد نور الھدیٰ نے اپنا خواب کب اور کس سے بیان کیا ؟

(2) ''فساد کی تعبیر آپ نے کیوں کی ؟'' یہ جملہ کون کس سے کہتا ہے ؟

(3) خواب کا ماجرا سن کر ذکیہ نے سید نور الھدیٰ سے کیا کہا ؟

(4) کس جگہ کی فوج باغی ہوکر دہلی میں آئی ؟

(5) ذکیہ اور اس کے والد کس کے مکان میں رہتے تھے ؟

(6) انگریز افسر کی بات سن کر سیّد نور الھدیٰ نے کیا جواب دیا ؟

(7) سارا سامان لٹ گیا تھا لیکن گھر میں کون سی چیزیں موجود تھیں ؟

(8) ذکیہ نے کس کو خط لکھنے کا ارادہ کیا ؟

(9) عامل نے ذکیہ کو کونسا کام کرنے پر معمور کیا ؟

(10) عامل کے گھر سے ملا ہوا خط کس نے لکھا تھا ؟

(11) عامل نے نقیہ کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟ کیوں ؟

(12) ذکیہ کو نقیہ کی لاش کے پاس خط ملا اس میں کیا لکھا تھا ؟

2. ذیل میں دیے گئے سوالوں کے جواب تفصیل سے لکھیے :

(1) سید نور الھدیٰ کا خواب تفصیل سے بیان کیجیے۔

(2) عامل کا کردار اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

(3) عامل کے گھر جو خط ملا اس خط میں کیا لکھا تھا اور اس خفیہ زبان کا خلاصہ کیا تھا ؟

3. ضدیں (متضاد الفاظ) لکھیے :

(1) خیر خواہ (2) خوشحال (3) خفیہ

4. محاورے کے معنی لکھ کر جملوں میں استعمال کیجیے :

(1) دم مارنا (2) زیر وزبر ہوجانا (3) زبانیں گونگیں ہوجانا

●

3 رسم و رِواج کی پابندی کے نقصانات

سر سیّد احمد خاں

پیدائش : 1817ء　　　وفات : 1898ء

سر سیّد 1817ء میں دلّی میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آبا واجداد عربی النسل تھے اور شاہجہاں کے عہد میں ہندوستان آئے اور دربار میں ممتاز عہدوں پر مامور ہوئے۔

سر سیّد کے والد کا انتقال اُن کے بچپن ہی میں ہوگیا تھا۔ اس لیے اُن کی تعلیم و تربیت اُن کے والدہ نے کی۔ اُن کی والدہ ایک روشن خیال خاتون تھیں۔ اس لیے سر سیّد میں بھی ابتدا ہی سے یہ بات پیدا ہوگئی۔

1869ء میں اُن کے بیٹے سیّد محمود حصول تعلیم کے لیے انگلستان جانے لگے تو یہ بھی اُن کے ساتھ گئے اور وہاں کی تعلیمی، سیاسی اور سماجی حالتوں کا بغور مطالعہ کیا اور وہاں سے آکسفورڈ اور کیمبرج کے نمونوں پر ایک کالج قائم کرنے کا خیال اپنے ساتھ لائے۔ یہاں آ کر ایک کالج محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کے نام سے قائم کیا۔ اب وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام سے مشہور ہے۔

اپنے اس آرٹیکل کو بعض بڑے بڑے حکیموں کی تحریروں سے اخذ کرکے لکھتے ہیں۔ کیا عمدہ قول ایک بڑے دانا کا ہے، کہ ”انسان کی زندگی کا منشا یہ ہے کہ اُس کے تمام قویٰ اور جذبات نہایت روشن اور شگفتہ ہوں اور اُن میں باہم نامناسبت اور تناقص واقع نہ ہو بلکہ سب کامل کر ایک کامل اور نہایت متناسب مجموعہ ہو۔“ مگر جس قوم میں کہ پُرانی رسم و رواج کی پابندی ہوتی ہے یعنی اُن رسموں پر نہ چلنے والا مطعون اور حقیر سمجھا جاتا ہے۔ وہاں زندگی کا منشا معلوم ہوجاتا ہے۔

ایک اور بڑے دانا شخص کی رائے کا یہ نتیجہ ہے کہ آزادی اور اپنی خوشی پر چلنا جہاں تک کہ دوسروں کو ضرر نہ پہونچے ہر انسان کی خوشی اور اُس کا حق ہے۔ پس جہاں کہیں معاشرت کا قاعدہ جس پر کوئی چلتا ہے خاص اُس کی خصلت پر مبنی نہیں ہے بلکہ اگلی روایتوں پر یا پرانی رسم و رواج پر مبنی ہے تو وہاں انسانوں کی خوش حالی کا ایک جزو موجود نہیں ہے اور جو کہ خوش حالی ہر فرد بشر کی اور نیز کُل لوگوں کی ترقی کا بہت بڑا جزو ہے تو اُس ملک میں جہاں رسموں کی پابندی ہے وہ جزو بھی ناپید ہوتا ہے۔

کسی شخص کی یہ رائے نہ ہوگی کہ آدمیوں کو بجز ایک دوسرے کی تقلید کے اور کچھ مطلق نہ کرنا چاہیے اور نہ کوئی شخص یہ کہے گا کہ آدمیوں کو اپنی اوقات بسری کے طریقے اور اپنے کاروبار کی کاروائی میں اپنی خوشی اور اپنی رائے مطابق کوئی بھی نہ کرنی چاہیے۔ سیدھا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کو اُس کی جوانی میں اس طرح سے تعلیم ہونی چاہیے کہ اور لوگوں کے تجربوں سے جو نتیجے تحقیق ہوچکے ہیں اُن کے فوائد سے مستفید ہو اور پھر جب اُس کی عقل پختگی پر پہنچے تو خود اُن کی بھلائی اور بُرائی کو جانچے۔

بے سوچے اور بے سمجھے رُسومات کی پابندی کرنے سے گو وہ رسمیں اچھی ہی کیوں نہ ہوں آدمی کی اُن صفتوں کی ترقی اور شگفتگی نہیں ہوتی جو خدائے تعالیٰ نے ہر آدمی کو جُدا جُدا عنایت کی ہیں۔ اُن قوتوں کا برتاؤ جو کسی چیز کی بھلائی، برائی دریافت کرنے اور کسی بات پر رائے دینے اور دو باتوں میں امتیاز کرنے اور عقل و فہم کو تیز رکھنے بلکہ اخلاقی باتوں کی بھلائی اور بُرائی تجویز کرنے میں مستعمل ہوتی ہیں صرف ایسی ہی صورت میں ممکن ہے جب کہ ہم کو ہر بات کے پسند یا ناپسند کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ جو شخص کوئی بات رسم کی پابندی سے اختیار کرتا ہے۔ وہ شخص اس بات کو پسند یا

ناپسند نہیں کرتا اور نہ ایسے شخص کو اُس بات کی تمیز یا خواہش میں کچھ تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ اخلاقی اور عقلی قوتوں کی ترقی اُس صورت میں حاصل ہوتی ہے جب کہ وہ استعمال میں لائی جاویں اُن قوتوں کو اوروں کی تقلید کرنے سے کسی بات کی مشق حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایسے شخص کے لیے بجز ایسی قوت تقلید کے جو بندر میں ہوتی ہے۔ اور کسی قوت کی حاجت نہیں۔

البتہ جو شخص اپنا طریقہ خود پسند کرتا ہے وہ اپنی تمام قوتوں سے کام لیتا ہے۔ زمانہ حال پر نظر کرنے کے لیے اُس کو قوتِ تحقیق درکار ہوتی ہے اور انجام کار پر غور کرنے کے لیے قوتِ تجویز اور اُس کا تصفیہ کرنے کو قوتِ استقراء اور بھلا بُرا اٹھہرانے کو قوتِ امتیاز اور سب باتوں کے تصفیہ کے بعد اُس پر قائم رہنے کے لیے قوتِ استقلال اور یہی سب کام ہیں جو انسان کے کرنے کے لائق ہیں۔ آدمی مثل ایک کل کے نہیں ہے کہ جو اُس کے واسطے مقرّر کر دیا ہے اُسی کو انجام دیا کرے۔ بلکہ وہ ایک ایسا درخت ہے جو اُن اندرونی قوتوں سے جو خدا نے اُس میں رکھی ہیں اور جن کے سبب وہ زندہ مخلوق کہلاتا ہے ہر چہار طرف پھیلے اور بڑھے، پُھولے اور پھلے۔

جو امر کہ پسندیدہ اور تسلیم کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے فہم اور اپنی عقل سے کام لیں اور رسم ورواج کی پابندی بھی ایک معقول طور پر رکھیں یعنی جو عمدہ مفید ہیں اُن کو اختیار کریں جو قابلِ اصلاح ہوں اُن میں ترمیم کریں اور جو بُری اور خراب ہوں اُن کی پابندی چھوڑ دیں نہ یہ کہ اندھوں کی طرح یا ایک کل کی مانند ہمیشہ اُسی سے لپٹے رہیں۔

یہ بات خیال کی جاتی ہے کہ رسومات کی پابندی نہ کرنے سے آدمی خراب کاموں اور بُری باتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بات صحیح نہیں ہے اس لیے کہ انسان کی ذات میں جیسے کہ خراب کام کرنے کی قوتیں اور جذبے ہیں ویسے ہی اُن کے روکنے کی بھی قوتیں اور جذبے ہیں۔ مثلاً ایمان یا نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے۔ پس خراب کام ہونے کا یہ باعث نہیں ہے کہ اُس نے رسومات کی پابندی نہیں کی بلکہ یہ باعث ہے کہ اُس نے ایک قسم کی قوتوں اور جذبوں کو شگفتہ اور شاداب اور قوی کیا ہے۔ اور دوسری قسم کی قوتوں اور جذبوں کو پژمُردہ اور ضعیف۔ اگر رسومات کی پابندی نہ رکھنے کے ساتھ انسان کا ایمان ضعیف نہ ہو یا وہ دلی نیکی جو ہر انسان کے دل میں ہے پژمردہ نہ ہو تو بجز عمدہ اور پسندیدہ باتوں کے اور کسی بات کا ارتکاب نہ ہو۔

ہمارے زمانہ میں ہر شخص اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک رسم ورواج کا ایسا پابند ہے جیسے کوئی شخص ایک بڑے زبردست حاکم کے نیچے اپنی زندگی بسر کرتا ہو۔ کوئی شخص یا کوئی خاندان اپنے دل سے یہ بات نہیں پوچھتا کہ ہم کو کیا کرنا چاہیے اور ہمارے مناسب یا ہماری پسند اور ہماری ناپسند کے لائق کیا بات ہے یا عمدہ صفتیں مجھ میں ہیں اُن کا ظہور نہایت عمدگی سے کس طرح ممکن ہے اور کونسی بات اُن کی ترقی اور شگفتگی کی معاون ہے بلکہ وہ اپنے دل سے یہ پوچھتے ہیں کہ میری حالت اور رتبہ کے کونسی چیز مناسب ہے میرے رتبہ اور مقدور کے آدمی کس رسم ورواج کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اس سے بھی زیادہ بیوقوف ہوا تو وہ اپنے دل سے اس سے بھی زیادہ بدتر سوال کرتا ہے اور یوں پوچھتا ہے کہ جو لوگ مجھ سے برتر ہیں اور رُتبہ اور مقدور میں زیادہ ہیں وہ کن رسموں کو بجا لاتے ہیں تا کہ یہ شخص بھی ویسا ہی کر کر اُنہی کی سی شان میں شامل ہو۔

اس بات سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ اس طرح پر رُسومات کو بجالاتے ہیں وہ اپنی خواہش اور مرضی سے اُن رسومات کو اور چیزوں پر ترجیح دیتے ہیں اور ترجیح دے کر پسند کرتے ہیں، نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن لوگوں کو بجز ایسی بات کے جو رسمی ہوتی ہے اور کسی بات کی خواہش کرنے کا موقع یا اتفاق نہیں ہوتا اور اس لیے طبیعت خود متحمل اور مطیع رسموں کی پابندی کی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ جو باتیں دل کی خوشی کی کرنی ہوتی ہیں اُن میں بھی اوروں کے مطابق کام کرنے کا خیال اوّل دل میں آتا ہے۔ غرض کہ اُن کی پسند وہی ہوتی ہے جو بہت سے لوگوں کی ہے۔ وہ صرف ایسی باتوں کے پسند کرنے پر راغب ہوتے ہیں جو عام پسند ہوں اور مذاق اور اصلی سلیقہ جو رسم ورواج کے مطابق نہ ہو اُس سے ایسی ہی گریز کی جاتی ہے جیسے کہ جرموں سے یہاں تک کہ اپنی خاص طبیعت کی پیروی نہ کرتے نہ کرتے اُن میں اپنی طبیعت ہی باقی نہیں رہتی کہ جس کی پیروی کریں اور اُن کی ذاتی

قوتیں بالکل پژمُردہ اور بیکار رہنے کے سبب بالکلّیہ ضائع ہوجاتی ہیں اور وہ شخص اپنی دلی خواہش کرنے اور ذاتی خوشی اُٹھانے کے قابل نہیں رہتے اور عموماً ایسی طبعزاد رائیں یا خیالات نہیں رکھتے جو خاص اُن کی اصلی خوشی سے مخصوص ہوں۔ اب غور کرنا چاہیے کہ انسان کی ایسی حالت پسندیدہ ہوسکتی ہے یا نہیں۔

رسومات جو مقرّر ہوتی ہیں غالباً اُس زمانہ میں جب کہ وہ مقرّر ہوئیں مفید تصوّر کی گئی ہوں مگر اس بار پر بھروسہ کرنا کہ درحقیقت وہ ایسی ہی ہیں محض غلطی ہے۔ ممکن ہے کہ جن لوگوں نے اُن کو مقرر کیا اُن کی رائے میں غلطی ہو اُن کا تجربہ صحیح نہ ہو یا اُن کا تجربہ نہایت محدود اور صرف چند اشخاص سے متعلق ہو یا اُس تجربہ کا حال صحیح بیان نہ ہوا ہو۔ یا وہ رسم اُس وقت اور اُس زمانہ میں مفید ہو۔ الاّ حال کے زمانہ میں مفید نہ رہی ہو بلکہ مضر ہو یا وہ رسم جن حالات پر قائم کی گئی تھی کسی شخص کی وہ حالت نہ ہو۔ غرض کہ رسموں کی پابندی میں مبتلا رہنا ہرطرح پر نقصان کا باعث ہے۔ اگر کوئی نقصان نہ ہوتو یہ نقصان ضرور ہے کہ آدمی کی عقل اور دانش اور جودت طبع اور قوتِ ایجاد باطل ہوجاتی ہے۔

یہ بات بے شک ہے کہ کسی عمدہ بات کی ایجاد کی لیاقت ہر ایک شخص کو نہیں ہوتی بلکہ چند دانا شخصوں کو ہوتی ہے جن کی پیروی اور سب لوگ کرتے ہیں لیکن رسم کی پابندی اور اس قسم کی پیروی میں بہت بڑا فرق ہے۔ رسومات کی پابندی میں اُس کی بھلائی وبُرائی ومفید وغیر مفید ومناسب حال ومطابق طبع ہونے یا نہ ہونے کے مطلق خیال نہیں کیا جاتا اور بغیر سوچے سمجھے اُس کی پابندی کی جاتی ہے اور دوسری حالت میں بوجہ پسندیدہ ہونے کے اور اس لیے دوسری حالت میں جو قوتیں ترقی کی انسان میں ہیں وہ معدوم ومفقود نہیں ہوتیں۔ الاّ پہلی حالت میں معدوم ونابود ہوجاتی ہیں۔

رسم کی پابندی ہر جگہ انسان کی ترقی کی مانع ومزاحم ہے۔ چنانچہ وہ پابندی ایسی قوتِ طبعی کے جس کے ذریعہ سے بہ نسبت معمولی باتوں کے کوئی بہتر بات کرنے کا قصد کیا جاوے برابر مخالف رہتی ہے اور انسان کی تنزّل حالت کا اصلی باعث ہوتی ہے۔

اب اس رائے کا دنیا کی موجودہ قوموں کے حال سے مقابلہ کرو۔ تمام مشرقی یا ایشیائی ملکوں کا حال دیکھو کہ اُن ملک میں تمام باتوں کے تصفیہ کا مدار رسم ورواج پر ہے۔ اُن ملکوں میں مذہب اور استحقاق اور انصاف کے لفظوں سے رسموں کی پابندی مراد ہوتی ہے۔ پس اب دیکھ لو کہ مشرقی یا ایشیائی قوموں کا جن میں مسلمان بھی داخل ہیں کیسا ابتر اور خراب اور ذلیل حال ہے۔

ان مشرقی یا ایشیائی قوموں میں بھی کسی زمانہ میں قوتِ عقل اور جودت طبع اور مادّۂ ایجاد ضرور موجود ہوگا جس کی بدولت وہ باتیں ایجاد ہوئیں جو اب رسمیں ہیں اس لیے کہ ان کے بزرگ ماں کے پیٹ سے تربیت یافتہ اور حسنِ معاشرت کے فنون سے واقف پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ سب باتیں انہوں نے اپنی محنت اور علم اور عقل اور جودتِ طبع سے ایجاد کی تھیں اور اُنہی وجوہات سے دنیا کی نہایت بڑی اور قوی اور مشہور قوموں سے ہوگئے تھے مگر اب اُن کا حال دیکھو کہ کیا ہے اسی رسومات کی پابندی سے اُن کا مآل یہ ہوا ہے کہ اب وہ ایسی قوموں کے محکوم ہیں اور ایسے لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہیں جن کے آبا واجداد اُس وقت جنگلوں میں آوارہ پڑے پھرتے تھے جس وقت ان قوموں کے آبا واجداد عالی شان محلوں میں رہتے تھے اور بڑے بڑے عبادت خانے اور مکانات شاہی اور شہنشاہی محل بنواتے تھے۔ اس کا سبب یہی تھا کہ اُس زمانہ میں ان قوموں میں رسم کی پابندی قطعی نہ تھی اور جو کسی قدر تھی بھی تو اس کے ساتھ بھی آزادی اور ترقی کا جوش اُن میں قائم تھا۔

تواریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قوم کسی قدر عرصہ تک ترقی کی حالت پر رہتی ہے اور اس کے بعد ترقی مسدود ہوجاتی ہے۔ مگر یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ ترقی کب مسدود ہوتی ہے، یہ اسی وقت مسدود ہوتی ہے جب کہ اس قوم میں سے وہ قوت اُٹھ جاتی ہے۔ جس کے سبب سے نئی نئی باتیں پیدا ہوتی ہیں اور ٹھیک ٹھیک مسلمانوں کا اس زمانہ میں یہی حال ہے بلکہ میں نے غلطی کی کیوں کہ ترقی مسدود ہونے کا زمانہ بھی گزر گیا اور تنزل اور ذلّت وخواری کا زمانہ بھی انتہا درجہ کو پہنچ گیا ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ بات کہے کہ یُورپ کی قوموں میں بھی جو اس زمانہ میں ہرقسم کی ترقی کی حالت میں شمار ہیں بہت سی رسمیں ہیں اور

ان رسموں کی نہایت درجہ پر پابندی ہے تو وہ قومیں کیوں ترقی پر ہیں ؟

یہ اعتراض سچ ہے اور درحقیقت یُورپ میں رسموں کی پابندی کا نہایت نقصان ہے اور اگر اس کی اصلاح نہ ہوتی رہے گی جیسے کہ اب تک ہوتی رہتی ہے تو ان کو بھی بدنصیبی کا دن پیش آوے گا مگر یورپ میں قو رمشرقی ملکوں کی پابندیٔ رسومات میں ایک بڑا فرق ہے۔ یورپ میں رسومات کی پابندی ایک عجیب اورنئی بات ہونے کو مانع ہے مگر رسومات کی تبدیلی کا کوئی مانع نہیں۔ اگر کوئی شخص عمدہ رسم نکالے اور سب لوگ پسند کریں فی الفور پُرانی رسم چھوڑ دی جائے گی اور نئی رسم اختیار کر لی جائے گی۔ اور اس سبب سے ان لوگوں کے قوائے عقلی اور حالت تمیز اور قوتِ ایجاد ضائع نہیں ہوتی۔

تم دیکھو ہ یہ پوشاک جو اب انگریزوں کی ہے ان کے باپ دادا کی نہیں ہے بالکل اپنی پوشاک بدل دی ہے۔ ہر درجہ کے لوگوں کا جو مختلف لباس تھا اس رسم کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور ضرور سمجھا گیا ہے کہ ہر شخص ایک سا مثل اوروں کی لباس پہنے۔ اس وقت کوئی رسم یورپ میں ایسے درجہ پر نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی رسم اس کے برخلاف مگر اس سے عمدہ ایجاد کرے اور لوگ اس پر اتفاق کریں اسی وقت تبدیل نہ ہو سکے اور اسی تبدیلی کے ساتھ ان کی ترقی بھی ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ نئی نئی کلیں ہمیشہ ایجاد ہوتی رہتی ہیں اور تاوقتیکہ ان کی جگہ بہتر کلیں ایجاد نہ ہوجاویں اور بدستور رہتی ہیں ملکی معاملات اور تعلیم میں بلکہ اخلاق میں بلکہ مذہب میں ہمیشہ ترقی کے خواہاں ہیں۔ پس یہ تصور کرنا کہ یورپ بھی مثل ہمارے مگر دوسری قسم کی رسموں میں مبتلا ہے محض نادانی اور ناواقفیت کا سبب ہے۔

البتہ یُورپ میں اور بالتخصیص انگریزوں میں جو بات نہایت عمدہ اور قابلِ تعریف اور لائقِ خواہش کے ہے اور درحقیقت بغیر اس کے کوئی قوم مہذب اور تربیت یافتہ نہیں ہوسکتی وہی بات اس کی تنزّل کا باعث ہوگی۔ بشرطیکہ اس کی اصلاح نہ ہوتی رہے گی۔ اور وہ یہ ہے کہ تمام انگریز جو حبّ وطن میں نامی ہیں اس بات پر نہایت کوشش اور جانفشانی کر رہے ہیں کہ کُل قوم کے لوگ یکساں ہوجاویں اور سب اپنے خیالات اور طریقے یکساں مسائل اور قواعد کے تحت حکومت کردیں اور ان کوششوں کا نتیجہ انگلستان میں روز بروز ظاہر ہوتا جاتا ہے جو حالات کہ اب خاص خاص لوگوں اور فرقوں کے پائے جاتے ہیں اور جن کے سبب ان کی خاص خاص عادتیں قائم ہوتی ہیں وہ اب روز بروز ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی جاتی ہیں۔ انگلستان میں اس زمانہ سے پہلے مختلف درجوں کے لوگوں اور مختلف پیشہ والے گویا جُدی جُدی دنیا میں رہتے تھے۔ یعنی سب کا طریقہ اور عادت جُدا جُدا تھی۔ اب وہ سب طریقے اور عادتیں ہر ایک کی ایسی مشابہ ہوگئی ہیں کہ گویا سب کے سب ایک ہی محلّہ کے رہنے والے ہیں۔ انگلستان میں بہ نسبت سابق کے اب بہت زیادہ رواج ہوگیا ہے کہ لوگ ایک ہی قسم کی تصنیفات کو پڑھتے ہیں اور ایک ہی سی باتیں سنتے ہیں اور ایک ہی سی چیزیں دیکھتے ہیں اور ایک ہی سے مقاموں میں جاتے ہیں اور یکساں باتوں کی خواہش رکھتے ہیں اور یکساں ہی چیزوں کا خوف کرتے ہیں اور ایک ہی سے حقوق اور آزادی سب کو حاصل ہے۔ اور اُن حقوق اور آزادیوں کے قائم رکھنے کے ذریعے بھی یکساں ہیں اور یہ مشابہت اور مساوات روز بروز ترقی پاتی جاتی ہے۔ اور تعلیم وتربیت کی مشابہت اور مسوات سے اس کو اور زیادہ وسعت ہوتی ہے۔ تعلیم کے اثر سے تمام لوگ عام خیالات کے اور غلبہ اور رائے کے پابند ہوتے جاتے ہیں اور جو عام ذخیرہ حقائق اور مسائل اور رایوں کا موجود ہے۔ اس پر سب کو رسائی ہوتی ہے۔ آمد ورفت کے ذریعوں کی ترقی سے مختلف مقاموں کے لوگ مجتمع اور شامل ہوتے ہیں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں اور اس سبب سے بھی مشابہت مذکور ترقی پاتی ہے۔ کارخانوں اور تجارت کی ترقی سے آسائش اور آرام کے وسیلے اور فائدے زیادہ شائع ہوتے ہیں اور ہر قسم کی عالی ہمتی بلکہ بڑی سے بڑی اولو العزمی کے کام ایسی حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ ہر شخص ان کے کرنے کو موجودہ مستعد ہوتا ہے۔ کسی خاص شخص یا گروہ پر منحصر نہیں رہا ہے۔ بلکہ اولوالعزمی تمام لوگوں کی خاصیت ہوتی جاتی ہے اور ان سب پر آزادی اور عام رائے کا غلبہ بڑھتا جاتا ہے اور یہ تمام امور ایسے ہیں جیسے انگلستان کے تمام لوگوں کی رائیں اور عادتیں اور طریق زندگی اور قواعد معاشرت اور امورات رنج وراحت یکساں ہوتے جاتے ہیں اور بلاشبہ مُلک اور قوم کے مہذب ہونے کا اور ترقی پر پہنچنے کا یہی نتیجہ ہے اور ایسا عمدہ نتیجہ ہے کہ اس سے عمدہ نہیں ہوسکتا۔

مگر باوصف اس کے ہم اس نتیجہ کو بشرطیکہ اس کی اصلاح نہ ہوتی رہے، باعث تنزل قرار دیتے ہیں تو ضرور ہم کو کہنا پڑے گا کہ کیوں یہ عمدہ نتیجہ باعثِ تنزل ہوگا۔ سبب اس کا یہ ہے کہ جب سب لوگ ایک سی طبیعت اور عادات اور خیال کے ہوجاتے ہیں تو ان کی طبیعتوں میں سے وہ قوتیں جونئی باتوں کے ایجاد کرنے اور عمدہ عمدہ خیالات کے پیدا کرنے اور قواعدِ حُسنِ معاشرت کو ترقی دینے کی ہیں زائل اور کمزور ہوجاتی ہیں اور ایک زمانہ ایسا آتا ہے کہ ترقی ٹھہر جاتی ہے اور پھر ایسا زمانہ ہوتا ہے کہ تنزّل شروع ہوجاتا ہے۔

اس معاملہ میں ہم کو ملکِ چین کے حالات پر غور کرنے سے عبرت ہوتی ہے۔ چینی بہت لئیق آدمی ہیں بلکہ اگر بعض باتوں پر لحاظ کیا جائے تو عقلمند بھی ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کی خوش قسمتی سے ابتدا ہی میں ان کی قوم میں بہت اچھی اچھی رسمیں قائم ہوگئیں۔ اور یہ کام ان لوگوں کا تھا جو اس قوم میں نہایت دانا اور بڑے حکیم تھے۔

چین کے لوگ اس بات میں مشہور ومعروف ہیں کہ جو عمدہ سے عمدہ دانش اور عقل کی باتیں ان کو حاصل ہیں ان کو ہر شخص کی طبیعت پر بخوبی منقش کرنے کے واسطے اور اس بات کے لیے کہ جن شخصوں کو وہ دانشمندی کی باتیں حاصل ہیں ان کو بڑے بڑے عہدے ملیں، نہایت عمدہ طریقے اُن میں رائج ہیں اور وہ طریقے حقیقت میں بہت ہی عمدہ ہیں بیشک جن لوگوں نے اپنا ایسا دستور قائم رکھا انہوں نے انسان کی ترقی کے اسرار کو پالیا اور اس لیے چاہیے تھا کہ وہ قوم تمام دُنیا میں ہمیشہ افضل رہتی مگر برخلاف اس کے اُن کی حالت سکون پذیر ہوگئی ہے اور ہزاروں برس سے ساکن ہے اور اگر ان کی کبھی کچھ اور ترقی ہوگی تو بیشک غیرملکوں کے لوگوں کی بدولت ہوگی۔ اس خرابی کا سبب یہی ہوا کہ اُس تمام قوم کی حالت یکساں اور مشابہ ہوگئی اور سب کے خیالات اور طریق معاشرت ایک سے ہوگئے اور سب کے سب یکساں قواعد اور مسائل کی پابندی میں پڑگئے اور اس سبب سے وہ قوتیں جن سے انسان کو روز بروز ترقی ہوتی ہے ان میں سے معدوم ہوگئیں۔

پس جب کہ ہم مسلمان ہندوستان کے رہنے والے جن کی رسومات بھی عمدہ اصول وقواعد پر مبنی نہیں ہیں بلکہ کوئی رسم القافیہ اور کوئی رسم بلاخیال اور قوموں کے اختلاط سے آگئی ہے جس میں ہزاروں نقص اور برائیاں ہیں پھر ہم اُن رسموں کے پابند ہوں اور نہ ان کی بھلائی برائی پر غور کریں اور نہ خود کچھ اصلاح اور درستی کی فکر میں ہوں بلکہ اندھا دھندی سے اسی کی پیروی کرتے چلے جاویں تو سمجھنا چاہیے کہ ہمارا حال کیا ہوگیا ہے اور آئندہ کیا ہونے والا ہے۔

ہماری نوبت چینیوں کے حال سے بھی رسومات کی پابندی کے سبب بدتر ہوگئی ہے اور اب ہم میں خود اتنی طاقت نہیں رہی کہ ہم اپنی ترقی کرسکیں اس لیے بجز اس کے کہ دوسری قوم ہماری ترقی اور ہمارے قوائے عقلی کی تحریک کا باعث ہو اور کچھ چارہ نہیں۔ بعد اس کے کہ ہمارے قُوائے عقلیہ تحریک میں آجاویں اور پھر قوّت ایجاد ہم میں شگفتہ ہو۔ تب ہم پھر اس قابل ہوں گے کہ خود اپنی ترقی کے لیے کچھ کرسکیں۔

مگر جب کہ ہم دوسری قوموں سے آزراہِ تعصّب نفرت رکھیں اور کوئی نیا طریقہ زندگی کا کہ وہ کیسا ہی بے عیب ہو اختیار کرنا صرف بسبب اپنے تعصّب یا رسم ورواج کی پابندی کے معیوب سمجھیں تو پھر ہم کو اپنی بھلائی اور اپنی ترقی کی کیا توقع ہے۔

مگر جو کہ ہم لوگ مسلمان ہیں اور ایک مذہب رکھتے ہیں جس کو ہم دل سے سچ جانتے ہیں اس لیے ہم کو مذہبی پابندی ضرور ہے اور وہ اسی قدر ہے کہ جو بات معاشرت اور تمدن اور زندگی بسر کرنے اور دنیاوی ترقی کی اختیار کرتے ہیں اس کی نسبت اتنا دیکھ لیں کہ وہ مباحات شرعیہ میں سے ہے یا محرمات شرعیہ سے در صورت ثانی بلاشبہ ہم کو احتراز کرنا چاہیے اور در صورت اوّل بلا لحاظ پابندی رسوم کے اور بلا لحاظ اس بات کے کہ لوگ ہم کو بُرا کہتے ہیں یا بھلا اس کو اختیار کرنا ضروری بلکہ واسطے ترقی قوم کے فرض ہے۔ ع

خدا ہمہ مسلمانان رابریں کار توفیق دہد۔ آمین

الفاظ ومعانی

منشا ارادہ **ملعون** لعنت کیا گیا **تقلید** پیروی **امتیاز** فرق **تصفیہ** واضح کرنا **معاون** مددگار **متحمل** برداشت، مشکوک، مشتبہ **مطیع** فرمانبردار **مسدود** بند کیا گیا **جانفشانی** محنت **اولوالعزمی** عالی حوصلہ **استقلال** مستقل مزاجی **مباحات** مباح کی جمع، جائز، حلال، درست، پاک **دانا** عقلمند **قوی** قوت کی جمع، طاقت **تناقص** کمی **شگفتگی** شادابی **قوۂ تحقیق** جانچ کی قوت **قوت تجویز** فیصلہ کی قوت **قوت الشقراء** تلاش کی قوت **پژمردہ** کملایا ہوا **جودت طبع** طبیعت کا انوکھا پن **معدوم ومفقود** ختم ہوجانا **اختلاط** ملاپ **مباحاتِ شرعیہ** شرعی طور پر جائز **خدا ہمہ مسلمانان بریں کار توفیق دید** خدا تمام مسلمانوں کو اس کام کی توفیق عطا کرے۔ **اولوالعزم** حوصلہ مندی **مستعد** تیار **باوصف** باوجود **حسن معاشرت** عمدہ سماج **قوی عقلیہ** عقلی قوت **محرمات شرعیہ** شرعی اعتبار سے حرام کی گئی۔

مشق

1. **ذیل میں دیے گئے سوالوں کے مختصر جواب لکھیے :**

(1) انسان کی خوشی اور حق کیا ہے؟

(2) انسانی خوشحالی کا جزو کب موجود نہیں ؟

(3) جوانی میں کس طرح کی تعلیم ہونی چاہیے؟

(4) اخلاقی اور عقلی قوتوں کی ترقی کیسے حاصل ہوتی ہے؟

(5) ہر انسان کے دل میں کیا چیز موجود ہے؟

(6) سر سیّد کے دور میں ہر شخص رسم ورواج کی پابندی کیسے کر رہا ہے؟

(7) رسومات کب مفید معلوم ہوتی ہیں ؟

(8) رسموں کی پابندی میں مبتلا رہنے سے کن کن نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے؟

(9) رسومات کی پابندی سے قوموں کا حال کیا سے کیا ہوگیا ؟

(10) یوروپ میں اور مشرقی ملکوں کی پابندئ رسومات میں کیا فرق ہے؟

(11) ہماری نوبت چینیوں کے حال سے بھی کیسے بدتر ہوگئی ہے؟

(12) مباحات شرعیہ اور محرماتِ شرعیہ سمجھایئے۔

2. **ذیل میں دیے گئے سوالوں کے جواب تفصیل سے لکھیے :**

(1) ایک بڑے دانا کا عمدہ قول کیا ہے؟

(2) ’’آزادی اور اپنی خوشی پر چلنا‘‘ سمجھایئے۔

(3) بے سوچے اور سمجھے رسومات کی پابندی کرنے سے کیا کیا نقصان ہوتے ہیں ؟

(4) ایسا کہا جاتا ہے کہ رسومات کی پابندی نہ کرنے سے آدمی فریب کاموں اور بری باتوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، لیکن نہیں ہوتا، کیسے؟

(5) رسومات کا مقرّر رہونا اس دور کے لیے مفید ہوتا ہے لیکن سرسیّد کے مطابق غلطی ہے سمجھایئے۔

(6) چندلوگوں کی پیروی سب لوگ کرتے ہیں لیکن رسم ورِواج کے تعلق سے اس بات میں کیا کیا جاتا ہے؟

(7) مصنّف مشرقی اور ایشیائی قوموں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

(8) رسم ورِواج کی پابندی کرنے میں ہمیں کس بات کا خیال رکھنا چاہیے؟ سمجھایئے۔

3. **متضاد الفاظ لکھیے :**

روشن ، خوشحال ، انجام ، معقول ، قوی ، اعلیٰ ، مخالف ، ابتر

4. **ہم معنی الفاظ لکھیے :**

تحریر ، معاشرت ، مبنی ، قوت ، شاداب ، صفت ، رتبہ ، مفید ،

معدوم ، مزاحم ، حُبّ ، باوصف ، دانشمند ، اصلاح ، عیب ، احتراز

5. **واحد-جمع لکھیے :**

حق ، وقف ، رسم ، جدّ ، حقیقت ، ایجاد ، فنون ، خواہش ، عادات ، مسلمان

6. **مترادف الفاظ لکھیے :**

رسم ورِواج ، آباءواجداد ، مانع ومزاحم

●

4 پھول

علّامہ اقبالؔ

پیدائش : 1877ء، سیالکوٹ
وفات : 1938ء

محمد اقبال نام، اقبالؔ تخلص، سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی پھر لاہور چلے گئے۔ فلسفہ میں ایم.اے. کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد لندن چلے گئے۔ جہاں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کی۔

اقبالؔ کی اردو شاعری کو فکری اور موضوعاتی اعتبار سے تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اردو کے روایتی شعراء کی طرح اقبالؔ نے بھی شاعری کی ابتداء غزل سے کی اور داغؔ سے بذریعہ خط وکتابت اصلاح بھی لی۔

اقبالؔ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں، اقبالؔ نے اردو شاعری کو مغربی مفکّروں کے خیالات سے روشناس کیا، اُردو شاعری میں میرؔ اور غالبؔ کے بعد اقبالؔ کی اہمیت مسلّم ہے۔

تصانیف : علم الاقتصاد، اسرارِ خودی، رموز بے خودی، پیامِ مشرق، بانگِ درا، جاوید نامہ، بالِ جبرئیل، ضربِ کلیم، ارمغانِ حجاز وغیرہ۔

تجھے کیوں فکر ہے اے گل! دل صد چاک بُلبُل کی
تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کرلے

تمنّا آبرو کی ہو اگر گلزار ہستی میں
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کرلے

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے، پابگل بھی ہے
اِنہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تُو کرلے

تنک بخشی کو اِستغنا سے پیغامِ خجالت دے
نہ رہ منت کش، شبنم نگوں جام وسبو کرلے

نہیں یہ شان خودداری، چمن سے توڑ کر تجھ کو
کوئی دستار میں رکھ لے، کوئی زیب گلو کرلے

چمن میں غنچہ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم
مذاق جور گلچیں ہو تو پیدا رنگ وبو کرلے

اگر منظور ہو تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
جہان رنگ وبو سے، پہلے قطع آرزو کرلے
اسی میں دیکھ ! مضمر ہے کمال زندگی تیرا
جو تجھ کو زینتِ دامن کوئی آئینہ رُو کرلے

الفاظ ومعانی

پیرہن لباس **صنوبر** چیڑے کا درخت **استغنا** بے پروائی، بے نیازی **گل چیں** پھول توڑنے والا، مالی **مضمر** پوشیدہ، مخفی
زینت سجنا، سنورنا

مشق

1. **دیے گئے سوالوں کے جواب لکھیے :**
(1) ان شاعر کے کہنے کے مطابق گل کو کیا فکر ہے؟
(2) گلزارِ ہستی میں شاعر کس تمنّا کی بات کرتے ہیں؟
(3) آزاد اور پا بہ گل کون ہے؟
(4) چمن سے پھول توڑ کر لوگ کیا کرتے ہیں؟
(5) خزاں نا آشنا سے بچنے کے لیے کیا ضروری ہے؟

2. **اشعار سمجھائیے :**
(1) چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی شبنم
مذاقِ جورِ گل چیں ہو تو پیدا رنگ وبو کرے
(2) اسی میں دیکھ، مضمر ہے کمالِ زندگی تیرا
جو تجھ کو زینتِ دامن کوئی آئینہ رو کرلے

3. **نظم میں مترادف الفاظ تلاش کیجیے۔**

4. **سابقہ الفاظ تلاش کیجیے۔**

●

5 غزل

مرزا رفیع سوداؔ

پیدائش : 1713ء، دہلی　　　　وفات : 26 جون 1780ء، لکھنؤ

مرزا محمد رفیع نام، سوداؔ تخلص، سوداؔ کے والد مرزا محمد شفیع تجارت کے سلسلے میں دہلی آئے اور یہیں آباد ہوگئے۔ سوداؔ کو والد کی وفات کے بعد جو ترکہ ملا اسے انھوں نے تھوڑے سے عرصہ میں کھاپی کر برابر کردیا اور ملازمت اختیار کرلی۔ بچپن سے نہایت ذہین اور موزوں طبع تھے۔ کچھ مدّت تک شاہ حاتم کے شاگرد رہے۔ سوداؔ نے میرؔ کے برخلاف پہلے فارسی میں شاعری شروع کی اور اس کے بعد خان آرزوؔ کے کہنے پر اُردو کی طرف متوجّہ ہوئے۔ سوداؔ میں شعر گوئی کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔

سوداؔ مختلف درباروں سے وابستہ رہے، ان کی شاعری کا شہرہ سن کر نواب شجاع الدولہ نے انہیں لکھنؤ آنے کی دعوت دی تھی۔

سوداؔ نے متعدد اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ رباعیاں، قطعات، تاریخیں، پہلیاں، ترجیع بند، ترکیب بند سب کچھ کہا لیکن ان کے زورِ بیان کے جوہر قصیدہ گوئی میں کھلتے ہیں۔

نے بلبلِ چمن، نہ گلِ نو دمیدہ ہوں　　　　میں موسمِ بہار میں شاخِ بریدہ ہوں

گریاں نہ شکل شیشۂ وخنداں نہ طرزِ جام　　　　اس میکدے کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

تو آپ سے زباں زدِ عالم ہے، ورنہ میں　　　　یک حرفِ آرزو، سو بلب نارسیدہ ہوں

کوئی جو پوچھتا ہو، یہ کس پر ہے داد خواہ　　　　جوں گلِ ہزار جاسے گریباں دریدہ ہوں

میں کیا کہوں کہ کون ہوں سوداؔ، بہ قولِ دردؔ
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں، غرض آفت رسیدہ ہوں

الفاظ ومعانی

گلِ نو دمیدہ نیا کھلا ہوا پھول　**شاخِ بریدہ** کٹی ہوئی شاخ، ٹوٹی ہوئی شاخ　**آفریدہ** پیدا کیا ہوا، مخلوق

دریدہ پھٹا ہوا، چیرا ہوا

مشق

1. **مندرجۂ ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیے :**

(1) پہلے شعر میں شاعر نے اپنے آپ سے مخاطب ہوکر کیا کہا ہے؟

(2) شاعر نے 'میکدہ' کسے کہا ہے؟ اور اُس کے درمیان شاعر کا کیا حال ہے؟

(3) شاعر کی زبان زدِ عالم کا کیا حال ہے؟

(4) شاعر نے خود کو کیسے گل سے تشبیہ دی ہے؟

(5) مقطع میں شاعر نے خود کو آفت رسیدہ کیوں کہا ہے؟

2. **اس غزل میں صفتِ استعارہ کے اشعار تلاش کیجیے۔**

3. **مندرجۂ ذیل الفاظ کی ترکیب واضح کیجیے :**

بلبلِ چمن ، گلِ نو دمیدہ ، موسمِ بہار ، شاخِ بریدہ ، آفت رسیدہ

4. **'نارسیدہ' الفاظ میں 'نا' کیا ہے؟ ایسے دوسرے الفاظ بنائیے۔**

●

6 شطرنج کی بازی

پریم چند

پیدائش : 1880ء وفات : 1936ء

اصلی نام دھنپت رائے لیکن نواب رائے کے نام سے بھی مشہور تھے۔ لیکن انہوں نے پریم چند کے نام سے شہرت حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔ اُردو فارسی پڑھنے کے بعد بنارس سے انٹرنس پاس کیا۔ پرائمری اسکول میں مدرّس ہوگئے اور اسی عرصہ میں بی.اے.کیا۔ 1906ء میں ان کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ ''سوزِ وطن'' شائع ہوا۔ پریم چند ان تخلیق کاروں میں سے تھے جن پر اُردو زبان کو ہمیشہ فخر رہے گا۔

ان کی تصانیف میں پریم چند پچیسی، پریم بتیسی، پریم چالیسی، زادِ راہ اور واردات (افسانوی مجموعہ)، گئودان، نرملا، میدانِ عمل، جلوۂ ایثار، رنگ بھومی، کربلا، پردۂ مجاز، کایا کلپ وغیرہ شامل ہیں۔

شطرنج کی بازی میں انہوں نے ہندوستانی حکمرانوں کی عیّاشی، لا پرواہی اور بے خبری کی عمدہ عکّاسی کی ہے۔ اس کہانی سے مختلف بازیاں اور تفریحات اور عیّاشیوں میں سماج ڈوبا ہوا تھا۔ شطرنج کی بازی میں حکومت کھو دینے کا المیہ پیش کیا ہے۔

نواب واجد علی شاہ کا زمانہ تھا، لکھنؤ عیش و عشرت کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ چھوٹے بڑے امیر و غریب سب رنگ رلیاں منا رہے تھے، کہیں نشاط کی محفلوں آراستہ تھیں۔ کوئی افیون کی پینک کے مزے لیتا تھا، زندگی کے ہر ایک شعبہ میں رندی و مدتی کا زور تھا۔ امور سیاست میں، شعر و سخن میں، طرزِ معاشرت میں، صنعت و حرفت میں، تجارت و تبادلہ میں سبھی جگہ نفس پرستی کی دہائی تھی۔ اراکین سلطنت سے مے خواری کے غلام ہو رہے تھے۔ شعراء بوسہ و کنار میں مست اہل حرفہ کلابتو اور چکن بنانے میں، اہل سیف تیتر بازی میں، اہل روزگار سرمہ و مسی، طر وتیل کی خرید و فروخت کا دلدادہ غرض سارا ملک نفس پروری کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ سب کی آنکھوں میں ساغر و جام کا نشہ چھایا ہوا تھا۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے! علم و حکمت کے کن کن ایجاروں میں مصروف ہے۔ بحر و بر پر مغربی اقوام کس طرح حاوی ہوتی جاتی ہیں۔ اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ بٹیر لڑ رہے ہیں، تیتروں میں پالیاں ہو رہی تھیں۔ کہیں چوسر ہو رہی ہے۔ پوبارہ کا شور مچا ہوا ہے، کہیں شطرنج کے معرکے چھڑے ہوئے ہیں۔ فوجیں زیر و زبر ہو رہی ہیں۔ نواب کا حال اس سے بھی بدتر تھا۔ ہاں گتوں اور تالوں کی ایجاد ہوتی تھی۔ حظ نفس کے لیے نئے لٹکے نئے نئے نسخے سوچے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ فقرا خیرات کے پیسے پاتے تو روٹیاں خریدنے کی بجائے مدک اور چنڈو کے مزے لیتے تھے۔ رئیس زادے حاضر جوابی اور بدلہ سنجی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ارباب نشاط سے قلم بند کرتے تھے۔ فکر کو جولاں، عقل کو رسا اور ذہن کو تیز کرنے کے لیے شطرنج کیمیا سمجھا جاتا تھا۔ اب بھی اس قوم کے لوگ کہیں کہیں موجود ہیں۔ جو اس دلیل کو بڑے شدومد سے پیش کرتے ہیں۔ اس لیے اگر مرزا سجّاد علی اور میر روشن علی اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ عقل کو تیز کرنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ تو کسی ذی فہم کو اعتراض کرنے کا موقع نہ تھا۔ ہاں جہلا انھیں چاہیں سمجھیں۔ دونوں صاحبوں کے پاس موروثی جاگیریں تھیں۔ فکرِ معاش سے آزاد تھے۔ آخر اور کرتے ہی کیا۔ طلوع سحر ہوتے ہی دونوں صاحب ناشتہ کر کے بساط پر بیٹھ جاتے۔ مہرے بچھا لیتے اور عقل کو تیز کرنا شروع کر دیتے۔ پھر انھیں خبر نہ ہوتی تھی کہ کب دوپہر ہوا کب سہ پہر اور کب شام۔ گھر سے بار بار آدمی آ کر کہتا تھا کھانا تیار ہے یہاں سے جواب ملتا تھا چلو آتے ہیں۔ دسترخوان بچھاؤ، مگر شطرنج کے سامنے قورمے اور پلاؤ کے مزے بھی پھیکے تھے۔ یہاں تک کہ باورچی مجبور ہو کر کھانا کمرے میں ہی رکھ جاتا تھا۔ اور دونوں دوست دونوں کام ساتھ ساتھ کر کے اپنی باریک نظری کا ثبوت دیتے تھے۔ کبھی کبھی کھانا رکھا ہی رہ جاتا۔ اس کی یاد ہی نہ آتی تھی۔ مرزا سجاد علی

کے مکان میں کوئی بڑا بوڑھا نہ تھا اس لیے انہی کے دیوان خانے میں معرکہ آرائیاں ہوتی تھیں۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مرزا کے گھر کے اور لوگ اس مشغلہ سے خوش تھے۔ ہرگز نہیں۔ محلّہ کے گھر کے نوکر چاکروں میں، مہریوں ماماؤں میں بڑی حاسدانہ حرف گیریاں ہوتی رہتیں تھیں۔ بڑا منحوس کھیل ہے گھر کو تباہ کر کے چھوڑتا ہے۔ خدا نہ کرے کہ کسی کو اس کی چاٹ پڑے۔ آدمی نہ دین کے کام کا رہتا ہے نہ دنیا کے کام کا بس اسے دھوبی کا کتّا سمجھو گھر کا نہ گھاٹ کا۔ بُرا مرض ہے۔ ستم یہ تھا کہ بیگم صاحبہ بھی آئے دن اس مشغلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی رہتی تھیں۔ حالانکہ انھیں اس کے موقع مشکل سے ملتے۔ وہ سوتی ہی رہتی تھیں کہ ادھر بازی جم جاتی تھی۔ رات کو سو جاتی تھیں۔ تب کہیں مرزا جی گھر میں آتے تھے۔ ہاں جولا ہے کا غصّہ داڑھی پر اتارا کرتی تھیں، نوکروں کو جھڑکیاں دیا کرتیں کیا میاں نے پان مانگے ہیں۔ کہہ دو آکر لے جائیں۔ کیا پاؤں میں مہدی لگی ہوئی ہے۔ کیا کہا ابھی کھانے کی فرصت نہیں ہے؟ کھانا لے جا کر سر پر پٹک دو۔ کھائیں یا کتّوں کو کھلائیں۔ یہاں ان کے انتظار میں کون بیٹھا رہے گا۔ مگر لطف یہ تھا کہ انھیں اپنے میاں سے اتنی شکایت نہ تھی جتنی میر صاحب سے، وہ میر صاحب کو نکھٹو، بگاڑو، ٹکڑے خور وغیرہ ناموں سے یاد کیا کرتی تھیں۔ شاید مرزا جی بھی اپنی بریت کے اظہار میں سارا الزام میر صاحب ہی کے سر ڈال دیتے تھے۔

ایک دن بیگم صاحبہ کے سر میں درد ہونے لگا۔ تو ماما سے کہا۔ جا کر مرزا جی کو بلالا۔ کسی حکیم کے یہاں دوا لا دیں۔ دوڑ جلدی کر سر پھٹا جاتا ہے۔ ماما گئی تو مرزا جی نے کہا چل ابھی آتے ہیں۔ بیگم صاحبہ کو اتنی تاب کہاں کہ ان کے سر میں درد ہو اور میاں شطرنج کھیلنے میں مصروف ہوں۔ چہرہ سرخ ہو گیا اور ماما سے کہا جا کر کہہ کہ ابھی چلیے ورنہ وہ خود حکیم صاحب کے پاس چلی جائیں گی۔ کچھ ان کے آنکھوں دیکھا راستہ نہٖں ہے۔ مرزا جی بڑی دلچسپ بازی کھیل رہے تھے۔ دو ہی کشتیوں میں میر صاحب کی مات ہوئی جاتی تھی۔ بولے کیا ایسا دم لبوں پر ہے۔ ذرا صبر نہیں آتا۔ حکیم صاحب چھو منتر کر دیں گے کہ ان کے آتے ہی آتے دردِ سر رفع ہو جائے گا۔

میر صاحب نے فرمایا ''ارے جا کر سن ہی آیئے نہ۔ عورتیں نازک مزاج ہوتی ہی ہیں۔''

مرزا : جی، ہاں کیوں نہ چلا جاؤں دو کشتیوں میں میر صاحب کی مات ہوئی جاتی ہے۔

میر صاحب : جی اس بھروسے نہ رہیے گا۔ وہ چال سوچی ہے کہ آپ کے مہرے دھرے کے دھرے رہ جائیں۔ اور مات ہو جائے۔ پر جایئے سن آیئے کیوں خواہ مخواہ ذرا سی بات کے لیے ان کا دل دکھایئے گا۔

مرزا جی : جی چاہتا ہے اسی بات پر مات کر دوں۔

میر صاحب : میں کھیلوں گا ہی نہیں۔ آپ پہلے جا کر سن آئیں۔

مرزا جی : ارے یار جانا پڑے گا۔ حکیم کے یہاں درد ورد خاک نہیں ہے مجھے دق کرنے کا حیلہ ہے۔

میر صاحب : کچھ بھی ہو ان کی خاطر کرنی ہی پڑے گی۔

مرزا جی : اچھا ایک چال اور چل لوں۔

میر صاحب : ہرگز نہیں۔ جب تک آپ سن نہ آئیں گے مہروں کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

مرزا صاحب مجبور ہو کر اندر گئے تو بیگم صاحبہ نے کراہتے ہوئے کہا، تمہیں نگوڑا شطرنج اتنا پیارا ہے کہ چاہے کوئی مر بھی جائے پر اٹھنے کا نام نہیں، شطرنج ہے کہ میری سوکن ہے۔ نوج کوئی تم جیسا نرموہیا ہو۔

مرزا : کیا کروں۔ میر صاحب مانتے ہی نہ تھے۔ بڑی مشکلوں سے گلا چھڑا کر آیا ہوں۔

بیگم : کیا جیسے خود نکھٹو ہیں ویسے ہی دوسروں کو سمجھتے ہیں۔ ان کے بھی تو بال بچے ہیں کہ سب کا صفایا کر دیا۔

مرزا : بڑا لتّی آدمی ہے جب آکر سر پر سوار ہو جاتا ہے تو مجبور ہو کر مجھے بھی کھیلنا ہی پڑتا ہے۔

بیگم : دھتکار کیوں نہیں دیتے کتّے کی طرح۔

مرزا : سبحان اللہ برابر کے آدمی ہیں۔ عمر میں، رتبہ میں مجھ سے دو انگل اونچے۔ ملاحظہ کرنا ہی پڑتا ہے۔

بیگم : تو میں ہی دھتکارے دیتی ہوں۔ ناراض ہو جائیں گے۔ کون میری روٹیاں چلاتے ہیں۔ رانی روٹھیں گی اپنا سہاگ لیں گی۔ (مما سے) عباسی، شطرنج اٹھالا۔ میر صاحب سے کہہ دینا۔ میاں اب نہ کھیلیں گے۔ آپ تشریف لے جائیں۔ اب پھر منھ نہ دکھایئے گا۔

مرزا : ہائیں ہائیں کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ کیا ذلیل کراؤ گی۔ ٹھہر عبّاسی، کمبخت کہاں دوڑی جاتی ہے۔

بیگم : جانے کیوں نہیں دیتے۔ میرا ہی خون پیے جو روکے، اچھا اسے روک لیا۔ مجھے روک لو تو جانوں۔

یہ کہہ کر بیگم صاحبہ خود جھلّائی ہوئی دیوانخانہ کی طرف چلیں۔ مرزا جی کا چہرہ فق ہوگیا۔ ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ بیوی کی منّتیں کرنے لگے۔ خدا کے لیے تمھیں شہیدِ کربلا کی قسم۔ میری ہی میّت دیکھے جو ادھر قدم رکھّے لیکن بیگم صاحبہ نے ایک نہ مانی، دیوان خانہ کے دروازہ تک گئیں۔ یکا یک نامحرم کے روبرو بے نقاب جاتے ہوئے پیر رک گئے۔ وہیں سے اندر کی طرف جھانکا، حسنِ اتّفاق سے کمرہ خالی تھا۔ میر صاحب نے حسب ضرورت دو چار مہرے تبدیل کردیے تھے، اس وقت اپنی صفائی جتانے کے لیے ماہر چبوترہ پر چہل قدمی کررہے تھے۔ پھر کیا تھا بیگم صاحبہ کو منھ مانگی مراد ملی۔ اندر پہنچ کر بازی الٹ دی۔ مہرے کچھ تخت کے نیچے پھینکے کچھ باہر تب دروازہ اندر سے بند کرکے کنڈی لگادی۔ میر صاحب دروازے پر تو تھے ہی مہرے باہر پھینکے جاتے دیکھے۔ پھر چوڑیوں کی جھنکار سنی تو سمجھ گئے بیگم صاحبہ بگڑ گئیں۔ چپکے سے گھر کی راہ لی۔

مرزا نے بیگم صاحبہ سے کہا تم نے غضب کردیا۔

بیگم : اب موا ادھر آئے تو کھڑے کھڑے نکال دوں۔ گھر نہیں چکلا سمجھ لیا ہے۔ اتنی لو اگر خدا سے ہو تو ولی ہو جاتے۔ آپ لوگ تو شطرنج کھیلیں، میں یہاں چولھے چکی میں سر کھپاؤں، لونڈی سمجھ رکھا ہے اجتے ہو حکیم صاحب کے یہاں کہ اب بھی تامل ہے۔

مرزا جی گھر سے نکلے تو حکیم صاحب کے یہاں کے بدلے میر صاحب کے گھر پہنچے، تو معذرت آمیز لہجہ میں بادل پُر درد ماجرا کہہ سنایا۔

میر صاحب ہنس کر بولے، اتنا تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا جب دردِ سر کا پیغام ماما لائی تھی کہ آج آثار اچھے نہیں ہیں۔ مگر بڑی غصّہ ور معلوم ہوتی ہیں۔ اُف اتنی تمکنت آپ نے انھیں بہت سر چڑھا رکھا ہے۔ یہ مناسب نہیں انھیں اس سے کیا مطلب کہ آپ باہر کیا کرتے ہیں۔ خانہ داری کا انتظام کرنا ان کا کام ہے مردوں کی باتوں میں دخل دینے کا انھیں کیا مجال۔ میرے یہاں دیکھیے، کبھی کوئی چوں بھی نہیں کرتا۔

مرزا : خیر اب یہ بتایئے اب جماؤ کہاں ہوگا۔

میر : اس کا کیا غم ہے اتنا بڑا گھر پڑا ہوا ہے بس یہیں جمے گی۔

مرزا : لیکن بیگم صاحبہ کو کیسے مناؤں گا جب گھر پر بیٹھا رہتا تھا تب تو اتنی خفتی تھی، گھر سے چلا آؤں تو شاید زندہ نہ چھوڑیں۔

میر : اجی بکنے دیجیے۔ دو چار دن میں خود بخود سیدھی ہو جائیں گی۔ ہاں آپ بھی ذرا تن جایئے۔

(۲)

میر صاحب کی بیگم صاحبہ کسی وجہ سے میر صاحب کے گھر سے غائب رہنا ہی پسند کرتی تھیں۔ اس لیے وہ ان کے مشغلہ تفریح کا مطلق گلہ نہ کرتی تھیں۔ بلکہ کبھی کبھی انھیں جانے میں دیر ہوجاتی یا کچھ الساتے تو ''سرود یہ مستان یاد دہاندن'' کے مصداق انھیں آگاہ کر دیا کرتی تھیں۔ ان وجوہ سے میر صاحب کو گمان ہوگیا تھا کہ میری بیگم صاحبہ نہایت خلیق متحمل مزاج اور عفت کیش ہیں۔ لیکن جب ان کے دیوان خانہ میں بساط بچھنے لگی اور میر صاحب کی دائمی موجودگی سے بیگم صاحبہ کی آزادی میں ہرج پیدا ہونے لگا تو انھیں بڑی تشویش دامنگیر ہوئی۔ دن کے دن دروازہ جھانکنے کو ترس جاتی تھیں۔ سوچنے لگیں کیوں کر یہ بلا سر سے ٹلے۔

ادھر نوکروں میں بھی یہ کانا پھوسی ہونے لگی۔ اب تک دن بھر پڑے پڑے خراٹے لیتے تھے۔ گھر میں کوئی آئے کوئی جائے ان سے مطلب تھا نہ سروکار۔ مشکل سے دو چار دفعہ بازار جانا پڑتا۔ اب آٹھوں پہر کی دھونس ہوگئی۔ کبھی پان لگانے کا حکم ہوتا، کبھی پانی لانے، کبھی برف لانے کا، کبھی تمباکو کو بھرنے کا، حقّہ تو کسی دل جلے عاشق کی طرح ہر دم گرم رہتا تھا۔ سب جا کر بیگم صاحبہ سے کہتے۔ حضور میاں کا شطرنج تو ہمارے جی کا جنجال ہوگیا۔ دن بھر دوڑتے دوڑتے پیروں میں چھالے پڑ جاتے ہیں۔ یہ بھی کوئی کھیل ہے کہ صبح کو بیٹھے تو شام کردی۔ گھڑی دو گھڑی کھیل لیا چلو چھٹی ہوئی، اور پھر حضور تو جانتی ہیں کہ کتنا منحوس کھیل ہے جسے اس کی چاٹ پڑ جاتی ہے کبھی نہیں پنپتا۔ گھر پر کوئی نہ کوئی آفت ضرور آتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک کے پیچھے محلّے کے محلّے تباہ ہوتے دیکھے گئے ہیں۔ محلّے والے ہر دم ہمیں لوگوں کو ٹوکا کرتے ہیں۔ شرم سے گڑ جانا پڑتا ہے۔ بیگم صاحبہ کہتیں مجھے تو یہ کھیل خود ایک آنکھ نہیں بھاتا، پر کیا کروں میرا کیا بس ہے۔

محلّہ میں دو چار بڑے بوڑھے تھے وہ طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے۔ اب خیریت نہیں ہمارے رئیسوں کا یہ حال ہے تو ملک کا خدا ہی حافظ ہے، یہ سلطنت شطرنج کے ہاتھوں تباہ ہوگی۔ لچّھن بُرے ہیں۔

ملک میں واویلا مچا ہوا تھا۔ رعایا دن دہاڑے لٹتی تھی۔ پر کوئی اس کی فریاد سننے والا نہ تھا۔ دیہاتوں کی ساری دولت لکھنؤ میں کھچی چلی آتی تھی اور یہاں سامانِ عیش کے بہم پہنچانے میں صرف ہوجاتی تھی۔ بھانڈ، نقال، تھک، ارباب نشاط کی گرم بازاری تھی۔ ساقنوں کی دوکانوں پر اشرفیاں برستی تھیں۔ رئیس زادے ایک ایک دم کی ایک ایک اشرفی پھینک دیتے تھے۔ مصارف کا یہ حال اور انگریزی کمپنی کا قرضہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا، اس کی ادائیگی کی کسی کو فکر نہ تھی یہاں تک کہ سالانہ خراج بھی ادا نہ ہوسکتا تھا۔ ریزیڈنٹ بار بار تاکیدی خطوط لکھتا۔ دھمکیاں دیتا، مگر یہاں لوگوں پر نفس پروری کا نشہ سوار تھا، کسی کے کان پر جوں نہ رینگتی تھی۔

خیر میر صاحب کے دیوان خانے میں شطرنج ہوتے کئی مہینے گذر گئے، نت نئے نقشے حل کیے جاتے، نئے نئے قلعے تعمیر ہوتے اور مسمار کیے جاتے، کبھی کبھی کھیلتے کھیلتے آپس میں جھڑپ ہوجاتی، تو تو میں میں کو نوبت پہنچ جاتی۔ پر یہ شکر رنجیاں بہت جلد رفع ہوجاتی تھیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مرزا جی روٹھ کر اپنے گھر چلے جاتے، میر صاحب بساط اٹھا کر اپنے گھر میں آ بیٹھتے اور قسمیں کھاتے کہ اب کبھی شطرنج کے نزدیک نہ جائیں گے مگر صبح ہوتے ہی دونوں دوست پھر مل بیٹھتے۔ نیند ساری بدمزگیوں کو دور کر دیتی تھی۔

ایک دن دونوں احباب بیٹھے شطرنج کے دلدل میں غوطے کھا رہے تھے کہ شاہی رسالہ کا ایک سوار وردی پہنے اسلحہ سے لیس میر صاحب کا نام پوچھتا آ پہنچا، میر صاحب کے حواس اُڑے۔ اوسان خط ہوگئے۔ خدا جانے کیا بلا سر پر آئی۔ گھر کے دروازے بند کر لیے اور نوکروں سے کہا، گھر میں نہیں ہیں۔

سوار نے کہا گھر میں نہیں ہیں تو کہاں ہیں کہیں چھپے بیٹھے ہوں گے۔

خدمت گار : میں یہ نہیں جانتا گھر میں سے یہی جواب ملا ہے کیا کام ہے۔

سوار : کام تجھے کیا بتاؤں حضور میں طلبی ہے۔ شاید فوج کے لیے کچھ سپاہی مانگے گئے ہیں۔ جاگیردار ہیں کہ مذاق ہے۔

خدمت گار : اچھا تشریف لے جائیں۔ کہہ دیا جائے گا۔

سوار : کہنے سننے کی بات نہیں۔ میں کل پھر آؤں گا اور تلاش کر کے لے جاؤں گا اپنے ہمراہ حاضر کرنے کا حکم ہوا ہے۔

سوار تو چلا گیا۔ میر صاحب کی روح فنا ہوگئی۔ کانپتے ہوئے مرزا جی سے بولے اب کیا ہوگا۔

مرزا : بڑی مصیبت ہے کہیں میری طلبی بھی نہ ہو۔

میر : کمبخت کل پھر آنے کو کہہ گیا ہے۔

مرزا : قہر آسمانی ہے اور کیا کہیں سپاہیوں کی مانگ ہو تو بن موت مرے۔ یہاں تو جنگ کا نام سنتے ہی تپ چڑھ آتی ہے۔

میر : یہاں تو آج سے دانہ پانی حرام سمجھے۔

مرزا : بس یہی تدبیر ہے کہ اس سے ملیے ہی نہیں دونوں آدمی غائب ہو جائیں۔ سارا شہر چھانتا پھرے۔ کل سے گومتی پار کسی ویرانے میں نقشہ جمے۔ وہاں کسے خبر ہوگی۔ حضرات اپنا سا منھ لے کر لوٹ جائیں گے۔

میر : بس بس آپ کو خوب سوجھی۔ واللہ کل سے گومتی متی پار کی ٹھہرے۔

اِدھر بیگم صاحبہ سوار سے کہہ رہی تھیں، تم نے خوب بہروپ بھرا۔

اس نے جواب دیا، ایسے گاؤدیوں کو تو چٹکیوں میں نچاتا ہوں۔ اس کی ساری عقل اور ہمت تو شطرنج نے چرلی۔ اب دیکھ لینا جو کبھی بھول کر بھی گھر رہے صبح کا گیا پھر رات کو آئے گا۔

اس دن سے دونوں دوست منھ اندھیرے گھر سے نکل کھڑے ہوتے اور بغل میں ایک چھوٹی سی دردی دبائے، ڈبّے میں گلوریاں بھرے گومتی پار ایک پرانی ویران مسجد میں پہنچ، دردی بچھا، حقّہ بھر کر بساط پر جا بیٹھتے۔ پھر انھیں دین دنیا کی فکر نہ رہتی تھی، کشت شر پٹ لیا۔ ان الفاظ کے سوا ان کے منھ سے اور کوئی کلمہ نکلتا تھا۔ کوئی چلہ کش بھی اتنے استغراق کی حالت میں نہ بیٹھتا تھا۔ دوپہر کو جب بھوک معلوم ہوتی تو دونوں حضرت گلیوں میں ہوتے ہوئے کسی نانبائی کی دکان پر کھانا کھا لیتے اور چلم حقہ پی کر پھر محوِ شطرنج بازی۔ کبھی کبھی تو انھیں کھانے کی سدھ نہ رہتی تھی۔

ادھی ملک میں سیاسی پیچیدگیاں روز بروز پیچیدہ ہوتی جاتی تھیں۔ کمپنی کی فوجیں لکھنؤ کی طرف بڑھی چلی آتی تھیں۔ شہر میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ لوگ اپنے اپنے بال بچوں کو لے کر دیہاتوں میں بھاگے جا رہے تھے۔ پر ہمارے دونوں شطرنج باز دوستوں کو غم وزدا۔ اور غم کالا سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ گھر سے چلتے تو گلیوں میں ہو جاتے۔ کہیں کسی کی نگاہ نہ پڑ جائے۔ محلّے والوں کو بھی ان کی صورت نہ دکھائی دیتی تھی۔ یہاں تک کہ انگریزی فوجیں لکھنؤ کے قریب پہنچ گئیں۔

ایک دن دونوں احباب بیٹھے بازی کھیل رہے تھے، میر صاحب کی بازی کچھ کمزور تھی۔ مرزا صاحب انھیں کشت پر کشت دے رہے تھے کہ دفعتاً کمپنی کی فوج سڑک پر سے آتی ہوئی دکھائی دی۔ کمپنی نے لکھنؤ پر تصرف کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ قرض کی قلّت میں سلطنت ہضم کر لینا چاہتی تھی۔ وہی مہاجنی چال چلی جس سے آج ساری کمزور قومیں پابہ زنجیر ہو رہی ہیں۔

میر صاحب : انگریزی فوجیں آرہی ہیں۔

مرزا : آنے دیجیے۔ کشت بچائیے۔ یہ کشت۔

میر : ذرا دیکھنا چاہیے۔ آڑ سے دیکھیں کیسے قوی ہیکل جوان ہیں دیکھ کر سینہ تھراتا ہے۔

مرزا : دیکھ لیجیے گا کیا جلدی ہے۔ پھر کشت۔

میر : توپ خانہ بھی ہے، کوئی پانچ ہزار آدمی ہوں گے۔ سرخ چہرہ جیسے لال بندر۔

مرزا : جناب حیلے نہ کیجیے۔ یہ کشت۔

میر : آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ خیالتو کیجیے۔ شہر کا محاصرہ ہوگیا تو گھر کیسے چلیں گے۔

مرزا : جب گھر چلنے کا وقت آئے گا۔ تو دیکھی جائے گی۔ یہ کشت اور مات۔

فوج نکل گئی۔ یاروں نے دوسری بازی بچھا دی۔ مرزا جی بولے آج کھانے کی کیسی رہے گی۔

میر : آج روزہ ہے کیا آپ کو زیادہ بھوک لگی ہیی۔

مرزا : جی نہیں۔ شہر میں نامعلوم کیا ہورہا ہے۔

میر : شہر میں کچھ نہیں ہورہا ہوگا۔ لوگ کھانے سے فارغ ہوکر آرام کر رہے ہوں گے۔ حضور جانِ عالم بھی استراحت فرماتے ہوں گے یا شاید ساغر کا دور چل رہا ہوگا۔

اب کے دونوں دوست کھیلنے بیٹھے تو تین بج گئے، اب کے مرزا جی کی بازی کمزور تھی۔ اسی اثنا میں فوج کی واپسی کی آہٹ ملی۔ نواب واجد علی شاہ معزول کر دیئے گئے تھے۔ اور فوج انھیں گرفتار کیے لیے جاتی تھی۔ شہر میں کوئی ہنگامہ نہ ہوا، نہ کشت خون۔ یہاں تک کہ کسی جانباز نے ایک قطرہ خون بھی نہ بہایا۔ نواب گھر سے اس طرح رخصت ہوئے جیسے لڑکی روتی پیٹتی سسرال جاتی ہے، بیگمیں روئیں۔ نواب زادے، مامائیں، مغلانیاں روئیں اور بس سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ ازل سے کسی بادشاہ کی معزولی اتنی صلح آمیز، اتنی بےضرر نہ ہوئی ہوگی۔ کم از کم تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔ وہ اہنسا نہ تھی، جس پر ملائک خوش ہوتے ہیں۔ یہ وہ پست ہمتی، وہ نامردی تھی جس پر دیویاں روتی ہیں۔ لکھنؤ کا فرمانروا قیدی بنا چلا جاتا تھا اور لکھنؤ عیش کی نیند میں مست تھا۔ یہ سیاسی زوال کی انتہائی حد تھی۔

مرزا نے کہا: حضورِ عالی کو ظالموں نے قید کرلیا ہے۔

میر : ہوگا۔ آپ کوئی قاضی ہیں یہ لیجیے شہ۔

مرزا : حضرت ذرا ٹھہریئے۔ اس وقت بازی کی طرف طبیعت نہیں مائل ہوتی۔ حضورِ عالی خون کے آنسو روتے جاتے ہوں گے۔ لکھنؤ کا چراغ آج گل ہوگیا۔

میر : رویا ہی چاہئیں۔ یہ عیش قید فرنگ میں کہاں میسر۔ یہ شہ۔

مرزا : کسی کے دن ہمیشہ برابر نہیں جاتے، کتنی سخت مصیبت میں ہے بلائے آسانی۔

میر : ہاں ہے ہی۔ پھر کشت بس دوسری کشت میں مات ہے۔ بچ نہیں سکتے۔

مرزا : آپ بڑے بے درد ہیں۔ واللہ ایسا حادثہ جانکاہ دیکھ کر آپ کو صدمہ نہیں ہوتا۔ ہائے حضور جان عالم کے بعد اب کمال کا کوئی قدردان نہ رہا۔ لکھنؤ ویران ہوگیا۔

میر : پہلے اپنے بادشاہ کی جان بچایئے پھر حضور پُرنور کا ماتم کیجیے یہ کشت اور مات، لانا ہاتھ۔

نواب کو لیے ہوئے فوج سامنے سے نکل گئی۔ ان کے جاتے ہی مرزا جی نے نئی بازی بچھا دی۔ ہار کی چوٹ بُری ہوتی ہے۔ میر صاحب نے کہا آیئے نواب صاحب کی حالتِ زار پر ایک مرثیہ کہہ ڈالیں۔ لیکن مرزا جی کی وفاداری اور اطاعت شعاری اپنی ہار کے ساتھ غائب ہوگئی تھی۔ وہ شکست کا

انتقام لینے کے لیے بے صبر ہو رہے تھے۔

شام ہوگئی مسجد کے کھنڈر میں چمگادڑوں نے اذان دینا شروع کردی، ابابیلیں اپنے اپنے گھونسلوں سے چمٹ کر نماز مغرب ادا کرنے لگیں۔ پر دونوں کھلاڑی بازی پر ڈٹے ہوئے تھے۔ گویا وہ خون کے پیاسے سورما موت کی بازی کھیل رہے ہیں۔ مرزا متواتر تین بازیاں ہار چکے تھے، اب چوتھی بازی کا بھی رنگ اچھا نہ تھا وہ بار بار جیتنے کا مستقل ارادہ کرکے خوب سنبھل کر طبیعت پر زور دے دے کر کھیلتے تھے لیکن ایک نہ ایک چال ایسی خراب پڑجاتی تھی کہ ساری بازی بگڑ جاتی۔ ادھر میر صاحب غزلیں پڑھتے تھے، ٹھمریاں گاتے تھے، چٹکیاں لیتے تھے، آوازیں کستے تھے، ضلع اور جگت میں کمال دکھاتے تھے۔ ایسے خوش تھے گویا کوئی دفینہ ہاتھ آگیا ہے۔ مرزا صاحب ان کی یہ خوش فہمیاں سن سن کر جھنجھلاتے تھے اور بار بار تیوری چڑھا کر کہتے آپ چال نہ تبدیل کیا کیجیے۔ یہ کیا کہ چال چلے اور فوراً بدل دی۔ جو کچھ کرنا ہو ایک بار خوب غور کرکے کیجیے۔ جناب آپ مہرے پر انگلی کیوں رکھے رہتے ہیں۔ مہرے کو بے لاگ چھوڑ دیا کیجیے۔ جب تک چال کا فیصلہ نہ ہوجائے مہرے کو ہاتھ نہ لگایا کیجیے۔ حضرت آپ ایک چال آدھ آدھ گھنٹے میں کیوں چلتے ہیں۔ اس کی سند نہیں جس کی ایک چال میں پانچ منٹ سے زیادہ لگے۔ اس کی مات سمجھی جائے۔ پھر آپ نے چال بدلی مہرہ وہیں رکھ دیجیے۔

میر صاحب کا فرزین پٹا جاتا تھا۔ بولے میں نے چال چلی کب تھی۔

مرزا : آپ کی چال ہوچکی ہے خیریت اسی میں ہے کہ مہرہ اسی گھر میں رکھ دیجیے۔

میر : اس گھر میں کیوں رکھوں؟ میں نے مہرے کو ہاتھ سے چھوا کب تھا۔

مرزا : آپ قیامت تک مہرے کو نہ چھوئیں تو کیا چال ہی نہ ہوگی۔ فرزین پٹتے دیکھا تو دھاندلی کرنے لگی۔

میر : دھاندلی آپ کرتے ہیں۔ ہار جیت تقدیر سے ہوتی ہے۔ دھاندلی کرنے سے کوئی نہیں جیتا۔

مرزا : یہ بازی آپ کی مات ہوگی۔

میر : میری مات کیوں ہونے لگی۔

مرزا : تو آپ مہرہ اس گھر میں رکھ دیجیے جہاں پہلے رکھا تھا۔

میر : وہاں کیوں رکھوں۔ نہیں رکھتا۔

مرزا : آپ کو رکھنا پڑے گا۔

میر : ہرگز نہیں۔

مرزا : رکھیں گے تو آپ کے فرشتے۔ آپ کی حقیقت ہی کیا ہے۔

بات بڑھ گئی، دونوں اپنے ملیک کے دھنی تھے۔ نہ یہ دبتا تھا نہ وہ۔ تکرار میں لامحالہ غیر متعلق باتیں ہونے لگتی ہیں جن کا منشا ذلیل اور خفیف کرنا ہوتا ہے۔ مرزا جی نے فرمایا اگر خاندان میں کسی نے شطرنج کھیلا ہوتا تو آپ آئین اور قاعدے سے واقف ہوتے۔ وہ ہمیشہ گھانس چھیلا کیے۔ آپ کیا کھا کر شطرنج کھیلئے گا۔ ریاست شے دیگر ہے۔ جاگیر مل جانے سے کوئی رئیس نہیں ہوجاتا۔

میر : گھانس آپ کے ابّا جان چھیلتے ہوں گے۔ یہاں تو شطرنج کھیلتے پیڑھیاں اور پشتیں گذر گئیں۔

مرزا : جی جائیے۔ نواب غازی الدین کے یہاں باورچی گیری کرتے کرتے عمر گذر گئی۔ اس طفیل میں جاگیر پاگئے۔ آج رئیس بننے کا شوق چڑھ آیا ہے۔ رئیس بننا دل لگی نہیں ہے۔

میر : کیوں اپنے بزرگوں کے منہ میں کالکھ لگا رہے ہو۔ وہی باورچی رہے ہوں گے۔ ہمارے بزرگ تو نواب کے دسترخوان پر بیٹھتے تھے۔

ہم نوالہ وہم پیالہ تھے۔

مرزا : بے حیاؤں کو شرم بھی نہیں آتی۔

میر : زبان سنبھالیے۔ ورنہ بُرا ہوگا۔ یہاں ایسی باتیں سننے کی دادی نہیں ہیں، کسی نے آنکھ دکھائی اور ہم نے دیا تلا ہوا ہاتھ، بھنڈار کھل گئے۔

مرزا : آپ ہمارے حوصلے دیکھیں گے۔ تو سنبھل جایئے۔ تقدیر آزمائی ہوجائے ادھر یا اُدھر۔

میر : ہاں آجاؤ۔ تم سے دبتا کون ہے۔

دونوں دوستوں نے کمر سے تلواریں نکالیں۔ ان دنوں ادنا اعلا سبھی کنار خنجر، قبض شہیر، پنجہ باندھتے تھے۔ دونوں عیش کے بندے تھے مگر بے غیرت نہ تھے۔ قومی دلیری ان میں عنقا تھی۔ مگر ذاتی دلیری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کے سیاسی جذبات فنا ہوگئے تھے۔ بادشاہ کے لیے، سلطنت کے لیے، قوم کے لیے کیوں مریں۔ کیوں اپنی میٹھی نیند میں خلل ڈالیں۔ مگر انفرادی جذبات میں مطلق خوف نہ تھا۔ بلکہ وہ قومی ہوگئے تھے۔ دونوں پینترے بدلے لکڑی اور گتکہ کھیلے ہوئے تھے۔ تلواریں چمکیں، چھپا چھپ کی آواز آئی اور دونوں زخم کھا کر گر پڑے۔ دونوں نے وہیں تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔ اپنے بادشاہ کے لیے جن کی آنکھوں سے ایک بوند آنسو کی نہ گری، انہی دونوں آدمیوں نے شطرنج کے وزیر کے لیے اپنی گردنیں کٹادیں۔

اندھیرا ہوگیا تھا۔ بازی بچھی ہوئی تھی۔ دونوں بادشاہ اپنے اپنے تخت پر رونق افروز تھے۔ ان پر حسرت چھائی ہوئی تھی۔ گویا مقتولین کی موت کا ماتم کررہے تھے۔

چاروں طرف سناٹے کا عالم تھا۔ کھنڈر کی بوسیدہ دیواریں اور خستہ حال کنگرے اور سربسجود مینار ان لاشوں کو دیکھتے تھے اور انسانی زندگی کی بے ثباتی پر افسوس کرتے تھے۔ جس میں سنگ وخشت کا ثبات بھی نہیں۔

الفاظ ومعانی

مدک ایک نشہ آور چیز جو تمبا کو کی طرح چلم میں بھر کر پیتے ہیں۔ **چنڈو** ایک قسم کا نشہ جو افیون پانی میں پکا کر حُقّہ کی طرح پیا جاتا ہے۔ **کیمیا** اکسیر، کارگر نسخہ **ذی فہم** عقل مند **جُہلا** ان پڑھ لوگ بے وقوف (جاہل کی جمع) **حرف گیریاں** عیب جوئی **بریت** آزادی، چھٹکارا **حیلہ** بہانہ **نوج** خدا نہ کرے (عورتوں کی بولی ہے۔) **لَتّی** بری عادت والا، علّتی **چکلا** طوائف کے رہنے کا مقام **غصہ وَر** جسے جلد غصّہ آجائے **متحمل مزاج** برداشت کرنے والا **مصارف** اخراجات، خرچ **شکر رنجیاں** اَن بن، معمولی سی رنجشیں۔

محاورے

دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا (مثل) جس کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو، نہ اِدھر کا نہ اُدھر کا **صدائے احتجاج بلند کرنا** اعتراض کے لیے آواز اُٹھانا **دم لبوں پر ہونا** نزع کا عالم ہونا **چھومنتر ہونا** غائب ہونا **گلا چھڑانا** پیچھا چھڑانا **سر پر سوار رہنا** مسلّت رہنا **رانی روٹھیں گی اپنا سہاگ لیں گی** (کیا کسی کا بھاگ لے گی) رانی ناراض ہوگی تو اپنا ہی نقصان کرے گی۔ **چہرہ فق ہونا، چہرے پر ہوائیاں اڑنا** گھبرا جانا **منھ مانگی مراد ملنا** حسبِ منشاء خواہش کے مطابق دِلی تمنّا حاصل ہونا۔ **سرود مستان یاد دہانیدن** پرانی عظمتیں یاد دلانا **جی کا جنجال ہونا** باعثِ پریشان **کان پر جوں نہ رینگنا** کسی قسم کا اثر نہ ہونا **حواس اُڑنا** گھبرا جانا **اوسان خطا ہونا** بدحواسی۔

مشق

1. دیے گئے سوالوں کے جواب ایک جملے میں دیجیے :

(1) ذہن تیز کرنے کے لیے کس شئے کو کیمیا سمجھا جاتا ہے؟

(2) فقراء خیرات کے پیسے کہاں خرچ کرتے تھے؟

(3) مرزا کی بیگم میر صاحب کو کن ناموں سے یاد کرتی تھی؟

(4) نواب واجد علی شاہ کو معزول کیوں کر دیا گیا؟

2. دیے گئے سوالوں کے جواب دو تین جملوں میں دیجیے :

(1) نواب واجد علی شاہ کے عہد کے لکھنؤ کا حال بیان کیجیے۔

(2) مرزا اور ان کے دوست میر روشن علی کا روزانہ مشغلہ کیا تھا؟

(3) بیگم میر صاحب کا گھر سے باہر رہنا کیوں پسند کرتی تھیں؟

(4) بیگم نے میر صاحب اور مرزا صاحب کو گھر سے دور رکھنے کی کیا ترکیب نکالی؟

(5) محلّہ کے بڑے بوڑھوں کا شطرنج سے متعلق خیال کیا تھا؟

(6) میر اور مرزا نے آپس میں تلواریں کیوں کھینچیں؟

(7) نواب واجد علی شاہ کی گرفتاری پر شہر کی کیفیت کیا تھی؟

3. دیے گئے سوالوں کے جواب تفصیل سے لکھیے :

(1) شطرنج کی بساط مرزا صاحب کے گھر سے کیوں اٹھ گئی؟

(2) گومتی پار ویرانی مسجد میں مرزا اور میر نے شطرنج کیوں بچھائی؟

(3) میر اور مرزا کی لڑائی کا نقشہ بیان کیجیے۔

(4) سبق میں آنے والے محاوروں کی فہرست تیار کریں۔

(5) سبق میں استعمال کی گئیں ضرب الامثال کو تین-چار سطروں میں سمجھایئے۔

●

7 ظلِّ سبحانی (کہانی)

جیلانی بانو

پیدائش : 1936

جیلانی بانو 14 جولائی 1936ء کو اترپردیش کے شہر (بدایوں) میں پیدا ہوئیں۔ ان کے آباء واجداد بدایوں کے رہنے والے تھے۔ لیکن والد ملازمت کے سلسلے میں حیدرآباد آکر یہیں سکونت پذیر ہوئے۔ اسی لیے مصنفہ حیدرآباد کو ہی اپنا وطن سمجھتی ہیں۔ گھر کا ماحول چوں کہ ادبی تھا لہٰذا بچپن ہی سے ان کو لکھنے کا شوق رہا۔ انھوں نے ایم.اے. اُردو تک تعلیم حاصل کی۔ جیلانی بانو نے جس وقت ادبی زندگی کا آغاز کیا وہ ترقی پسند تحریک کے عروج کا آخری زمانہ تھا۔ حیدرآباد کے جاگیردارانہ ماحول اور روایتوں کا خاتمہ ہورہا تھا، ہر طرف تحریکیں چل رہی تھیں، ایک افراتفری کا عالم تھا۔ جاگیردارانہ معاشرے کی جگہ ایک نئی تہذیب وجود میں آرہی تھی۔ ان کی تخلیقات اسی ماحول کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ جس میں انھوں نے جاگیردارانہ نظام کے آداب واطوار غریبوں کے مسائل اور کسانوں کے حالات، عورتوں کے سماجی حالات۔ تلنگانہ تحریک آزادی کے بعد ہندوستانی سماج اور سیاست میں آنے والی تبدیلیوں کا احاطہ کیا ہے۔ وہ اپنے عصر کا گہرا شعور رکھتی ہیں اور اس کو اپنی تخلیقات میں پیش کرتی ہیں۔ جیلانی بانو نے ان سب حالات کا خود مشاہدہ کیا تھا جس نے ان کے فکر اور فن کو نئی روشنی عطا کی اور ان کی تخلیقات پر ان واقعات نے گہرا اثر چھوڑا۔

سا.....رے.....گا..... ما..... پا.....دھا.....نی

ظلِّ سبحانی بھیرویں کے سُروں پر پلکیں جھپکانے لگے۔

محل کا بوڑھا موسیقار آج اپنے حجرے کی بجائے ظل سبحانی کی خواب گاہ کے نیچے بٹھایا گیا تھا۔ تاکہ پَو پھٹنے سے پہلے بھیرویں کے سروں پر ظلِ سبحانی کو جگا سکے۔

ہوایوں کہ کل دربار عام میں محل کے ایک شاعر نے نکلتے سورج کے حسن پر اتنی دل نشین نظم سنائی تھی کہ جہاں پناہ نے نکلتے سورج کا حسن ملاحظہ فرمانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

اس خبر کے عام ہوتے ہی سارے ملک میں تہلکہ مچ گیا۔ دربار عام یک جھروکے سے نظر آنے والے درو بام کو خوبصورت بنانے کی کاروائی شروع کردی گئی۔ بعض اونچے پرانے مکانوں کو گرا دینا پڑا، تاکہ ظل سبحانی سورج کے حسن کو کسی رکاوٹ کے بغیر دیکھ سکیں۔ پرانی سڑکوں اور بدصورت عمارتوں پر رنگ کیا گیا۔ محل کے سامنے سے گذرنے والی ٹریفک کو کنٹرول کرنے کے لئے پولیس کے خصوصی دستے ساری رات انتظام میں مصروف رہے۔

پھر جب زلفِ شب کمر تک لہرانے لگی تو بوڑھے موسیقار کی آواز محل کے اندھیرے میں ایک ننھے سے   کی طرح لَو دینے لگی۔

سا.....رے.....گا..... ما..... پا.....دھا.....نی

بھرویں کے سات کومل سُر مل کر ایک رس ساگر بنے اور سارے محل میں بہنے لگے۔ بھیرویں کے سُر کا یہ سمپورن سنگار روپ اندھیرے میں جھلملانے لگا تو گہری تاریکی میں لپٹا ہوا سورج بھی جیسے بے کل ہو اٹھا اور ظل سبحانی نے اپنے پاس لیٹی ہوئی عورت کو لات مار کے سونے کے نقشی چھپرکھٹ سے دھکیل دیا اور زور سے چلائے۔

''یہ کیسا شور ہے........؟''

''ظلِ سبحانی! آج حضور کے حکم کے مطابق محل کا بوڑھا موسیقار عالی جاہ کو صبح کا راگ گاکر جگا رہا ہے تاکہ عالی جاہ نکلتے سورج کا خوبصورت نظارہ کرسکیں۔''

''تو کیا سورج نکل گیا.......؟'' انھوں نے غصہ میں ریشمی تکیے کو پیٹ ڈالا۔

''جی..... جی..... حضور..... اب نکلنا ہی چاہتا ہے۔''

اصل بات یہ ہے کہ سورج تو ابھی محل سے بہت دور تھا مگر بوڑھے موسیقار کی گنگناہٹ نے چاروں اور ایک جوت سی لگا دی تھی۔

سا..... رے..... گا..... ما..... پا..... دھا..... نی

''نہیں، جب تک ہم اسے دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہوجاتے سورج نہیں نکل سکتا۔''

''جو حکم عالی جاہ''، وزیرِ اعظم نے دونوں ہاتھوں سے ڈھیلی ڈھالی پتلون کو اوپر سرکایا، سائے کی طرف جھکے اور پھر الٹے پیروں ہوم منسٹر کے پاس دوڑے۔

''سرکار کا حکم ہے کہ جب تک وہ تیار نہ ہوجائیں، آج سورج نہ نکلے۔''

''ہائیں! یہ کیسے ہوسکتا ہے .....؟'' ہوم منسٹر نے اپنی گنجی چندیا پر ہاتھ پھیر کے کہا اور پھر کچھ سوچ کر وہ سر پر پانو رکھ کر بھاگے، کلچرل آفیئر ز کی منسٹر کے پاس۔

''بھئی یہ چاند، سورج، ستارے، تو سب کلچرل آفیئر ز کی منسٹری کے تحت آتے ہیں نا.....؟''

''چاند، سورج، ستارے.....؟ ہائے اللہ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟''

کلچرل آفیئر ز کی منسٹر ایک خاتون تھیں، جو دن رات اپنی منسٹری میں مصروف رہتیں۔ یعنی آئینے کے سامنے بیٹھی اپنی بھوئیں، پلکیں اور زلفیں سنوارا کرتی تھیں۔

''ہاں ہاں، بالکل ہے.....'' ہوم منسٹر نے پاؤں پٹک کر کہا۔

''چاند، سورج، ستارے، یہ سب اسٹیج ڈراموں اور کلچرل پروگراموں ہی میں تو کام آتے ہیں۔ میں ظلِ سبحانی کا حکم ہے کہ آج جب تک وہ تیار نہ ہوجائیں سورج نہ نکلے۔''

''اوئی اللہ.....'' کلچرل آفیئر ز کی منسٹر نے کمر پر ہاتھ رکھا اور انگلی ناک پر ٹکائی.....'' نکلتے سورج کو میں کیسے روکوں گی جی.....؟''

''مت روکو..... اپنی منسٹری سے بھی ہاتھ دھولو۔''

سورج کی باگ ڈور کلچرل آفیئر ز کے منسٹر کو سونپ کر، وہ دوڑے دوسرے انتظامات کی دیکھ بھال کرنے۔

''اے ہے! اب کیا کروں!'' شریمتی منسٹر نے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچا اور پھر انھیں ایک ترکیب سوجھی۔ ابھی فلم ڈویژن والوں کو فون کرتی ہوں کہ نکلتے سورج کی ایک فلم لاکر محل کے سامنے دکھادیں۔

اب وہ پھر اطمینان سے میرر کے سامنے بیٹھ کر اپنی لپ اسٹک درست کرنے لگیں اتنی دیر میں دھیمے دھیمے بھیرویں کے سُر ظلِ سبحانی کو دس نوکروں کی مدد سے تیار کرواکر جھروکے تک لے آئے تھے۔ خواب گاہ سے جھروکے تک تمام راستے کو سُرخ گلابوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ جھروکے کے

بیچ میں سونے کے فریم والی سُرخ مخمل کی گدے والی بڑی سی کرسی بچھی تھی۔ آس پاس فرانسیسی عطر میں ڈوبے ہوئے مورچھل ہاتھوں میں تھامے دو خادمائیں پتھر کی مورت بنی کھڑی تھیں۔

دِر تانا دیرے نادیم دیم تانہ نا

یا لاعی یالاعی یالوم تانا دیرے نا

موسیقار اب اجالے کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ بہلاوے دے رہا تھا۔ بجلی کی طرح کبھی ادھر چمکتا کبھی ادھر دمکتا۔

''ملاحظہ فرمایئے عالی جاہ، یہ کرنوں کا راجہ اب اجالے کی رتھ پر سوار ہوکر ہولے ہولے ہماری اور بڑھ رہا ہے۔'' شاعر ایک کونے میں ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور اپنی رنگین بیانی سے اس منظر کو اور خوبصورت بنانے کی کوشش کررہا تھا۔ ڈگمگاتے قدموں اور کانپتے ہاتھوں سے، کئی خادموں کی مدد سے ظلِ سبحانی سند پر جلوہ نشین ہوگئے۔

''یہ یہ سورج کدھر سے نکل رہا ہے.....؟ رات کو سرشاری کے کڑوے ذائقے اور تھکادینے والی رنگینیوں کی وجہ سے ان کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ ہاتھ پانوں قابو میں نہ تھے۔

''جی..... جی سرکار.....؟ وہ..... وہ.....'' وزیرِاعظم نے سٹپٹا کر ہوم منسٹر کی طرف دیکھا۔ ہوم منسٹر بھی نہیں جانتے تھے کہ سورج کس طرف سے نکلتا ہے۔ اس لیے انھوں نے فوراً اربن ڈیولپمنٹ کے ڈائریکٹر کو ٹھوکا دیا۔ اور اس نے جلدی جلدی شہر کا نقشہ سامنے پھیلا کر، ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔

''مشرق سے عالی جاہ''۔

''مہ مہ مشرق سے.....؟'' ظلِ سبحانی نے گرج کر پوچھا۔

''مہ مہ مشرق سے کیوں.....؟ ہمارے ملک کا سورج مشرق میں کیوں جاتا ہے.....؟ اِدھر تو ہمارے دشمن کا علاقہ ہے!''

''عالی جاہ! اس وقت اپنا چہرہ مبارک سورج کی طرف رکھیں۔ ملاحظہ فرمایئے کہ نور کی ایک چادر سی آسمان پر تنی ہوئی نظر آنے لگی ہے۔''

''سورج تو حضور روز مشرق ہی سے نکلتا ہے۔ مغرب میں ہی ڈوبتا ہے۔''

شاعر نے بڑی عاجزی کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔

دِرتا نا دیرے نادیم دیم تانہ نا.....

موسیقار کی آواز سے جیسے روشنی کی پھوار سی پڑنے لگی تھی۔

''یہ مغرب میں ڈوبتا ہے روزانہ! یعنی کے یورپ میں!'' ظلِ سبحانی نے اپنی بوجھل آنکھیں کھول کر ہکلاتے ہوئے شاعر سے پوچھا:

''مغرب کی بے حیائی اور بے دینی دیکھنے کے لیے سورج روز رات کو وہاں رنگ رلیاں منانے جاتا ہے.....؟ ہوم منسٹر.....!

ہوم منسٹر تھرتھر کانپتے، اپنی گنجی چندیا کو سامنے جھکائے، ہاتھ جوڑے آگے بڑھے۔

''ہوم منسٹر آج سے ہمارے ملک کو سورج مشرق سے نکلے گا اور نہ مغرب میں ڈوبے گا..... کیا سمجھے.....؟

''جی سمجھ گیا جہاں پناہ۔'' وزیرِ اعظم نے جلدی جلدی فرمانِ مبارک کو سنہرے فریم لگے قرطاس پر سونے کے قلم سے لکھتے ہوئے کہا:

''ہاں! مابدولت اپنے ملک میں بے دینی اور بداخلاقی پھیلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔'' انھوں نے تمام درباریوں کو دادطلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ان کے پیچھے وزیر اعظم، ہوم منسٹر، وزیر دفاع، کوتوال شہر اور تمام اہم وزیر ہاتھ باندھے ہوئے کھڑے تھے کہ کیا پتہ کس وقت کس کی طلبی ہو جائے وہ سب دل ہی دل میں شاعر کو کس رہے تھے جس نے آج رات ان سب پر نیند حرام کر دی تھی۔

''حضور! اس منظر کے لیے ایک شاعر نے کہا ہے کہ ۔

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

شاعر نے ہاتھ اٹھا کر جھومتے ہوئے شعر سنایا۔

''یہ یہ کس کا شعر ہے .....؟ ظلِ سبحانی اچھل پڑے۔نعوذ باللہ، یعنی اگر رسول نہ ہوتے تو ایک پیالی کافی سے کام چل جاتا اس ملعون شاعر کا!''

کون ہے وہ دہریہ.....؟ اسے ہمارے سامنے پکڑ لاؤ۔

''جی مناسب عالی جاہ''۔ ہوم منسٹر سر پر پیر رکھ کر اس شاعر کو پکڑنے دوڑے اب ظل سبحانی نے آنکھیں چندھیا کر سامنے کی طرف دیکھا تو دور آمان پر سفید بگلوں کی قطاریں اڑتی ہوئی نظر آئیں۔

''یہ یہ رندے کہاں جا رہے ہیں.....؟'' انھوں نے فائر کرنے کے انداز میں وزیر اعظم کی طرف ہاتھ اٹھا کر پوچھا۔

''جی حضور، یہ تو جنگل کے آزاد پنچھی ہیں، صبح سویرے دانے دُنکے کی تلاش میں ادھر رحد کے پار جنگلوں کی طرف جاتے ہیں۔'' وزیرِ اعظم نے اپنی ڈھیلی پتلون توند پر سرکا کر دانت نکوسے......

''کیا.....کیا ہمارے ملک میں اناج کی قحط ہے جو یہ پرندے سرحد کی طرف جا رہے ہیں۔ اس سے ہمارے ملک کی بدنامی ہوگی..... وزیرِ اعظم، کل سے سرحد کی طرف اڑنے والے تمام پرندوں کو ہلاک کر دیا جائے۔''

''جی بہت اچھا جہاں پناہ''۔ وزیرِ اعظم نے ڈھیلی ڈھالی پتلون کو توند پر رکا کر جلدی جلدی فرمان مبارک کو نہرے فریم لگے قرطاس پر سونے کے قلم سے لکھتے ہوئے کہا۔

''عالی جاہ! اب ملاحظہ فرمائیے اس خوبصورت منظر کو، یہ جو بادلوں کے پیچھے سے سنہری روپہلی کرنیں آسمان پر.....''

لیکن دوربین کو آنکھوں پر فوکس کرنے کے بعد ظلِ سبحانی کو سنہری روپہلی کرنیں تو زمین پر بکھری نظر آئیں۔ چالیس پچاس لڑکیاں رنگین تتلیوں کی طرح چہلیں کرتی کہیں اکٹھی جا رہی تھیں۔

''وہ.....وہ.....'' ظلِ سبحانی نے اپنے رعشہ سے کانپتے ہاتھ کو اٹھایا۔

''جی وہ.....! وہ؟ ادھر تو یونیورسٹی..... ہے عالی جاہ۔لڑکیاں ہاسٹل سے نکل کر صبح سویرے چہل قدمی کرنے جا رہی ہیں۔'' ہوم منسٹر نے جلدی سے آگے بڑھ کر ہانپتے ہوئے کہا۔

''اتنی بہت سی لڑکیاں.....'' ظلِ سبحانی تھوک نگل کر دیکھنے لگے..... ''یہ سب کنواری لڑکیاں ہیں.....؟ ان کے ماں باپ پر ان کی شادیوں کا کتنا بوجھ ہوگا! ہم اپنی رعایا پر اتنا بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے..... وزیرِ اعظم.....!''

''جی..... جی ظلِ سبحانی، میں آج ہی ان سب لڑکیوں کو حرمِ مبارک میں پہنچا دینے کا انتام کر دوں گا.....'' اور وزیر اعظم نے اپنی ڈھیلی پتلون کو توند پر سرکا کے جلدی جلدی سنہرے فریم والے قرطاس پر سونے کے قلم سے.....

جاگا کرنوں والا چاروں اُور ہوا اُجیارا

بوڑھا موسیقار اب راگ کی سرشاری میں وہاں تک پہنچ گیا تھا، جہاں فغاں میں ہر طرف نور ہی نور تھا۔ رنگ ہی رنگ بکھر رہے تھے۔

''اف کتنا خوبصورت منظر ہے! عالی جاہ! یہی وہ وقت ہے جس کی تعریف میں کوئی سنگیت کار ادھورا....''

''ہاں ہاں بہت اچھا ہے۔ مابدولت نے پسند فرمایا اس منظر کو....''

اور پھر انھوں نے دوربین لیس اپنا چہرہ ہٹا کر، آنکھیں چندھیا کر، دور کسی طرف دیکھا۔

''وہ..... وہ کیا بلڈنگ ہے.....؟

''وہ سفید سی اونچی بلڈنت جہاں پناہ! وزیرِ دفاع نے بڑی مسرت کے ساتھ سامنے کی طرف جھک کر کہا....'' وہ اس خادم کے بیٹے کا مکان ہے۔حضور آپ کا وہ غلام زادہ اس ملک کا بہت اچھا ارکیٹکٹ ہے۔ اس نے اپنا وہ مکان ایک انوکھے ڈھنگ سے بنایا ہے۔''

''اچھا.....؟ مابدولت وہ مکان ملاحظہ فرمائیں گے۔'' ظل سبحانی نے یوں وزیرِ دفاع کی طرف دیکھا جیسے اسے خلعت سے نواز رہے ہوں۔

''زہے نصیب عالی جاہ۔ جب ارشاد عالی ہو، سواری مبارک غریب خانے پر رونق افروز ہو۔'' وزیر دفاع نے جھک کر سات بار سلام عرض کرتے ہوئے کہا۔

''مگر مابدولت اس پھٹیچر آرکیٹکٹ کے مکان میں نہیں جائیں گے۔ پہلے وہ مکان ہماری ملکیت میں داخل کیا جائے۔''

''ذرہ نوازی ہے سرکار'' وزیر دفاع نے نہایت مریل آواز میں کہا اور اس بار اس نے چودہ سلام کیے.....اور وزیر اعظم نے جلدی جلدی فرمانِ مبارک سنہرے فریم والے قرطاس پر سونے کے.....

''یہ..... یہ کس کی آواز ہے.....؟ کیا کوئی فریادی ہم سے انصاف مانگنے آیا ہے؟

''ظل سبحانی نے چونک کر نیچے کی طرف دیا۔''

ایک بھکاری لڑکا اپنی ٹوٹی ہوئی رکابی کو بجاتا ہوا گا رہا تھا۔

اللہ دلوائے گا سو دیوے گا

اللہ کا پیارا کوئی دیوے گا

''یہ تو کوئی بھکاری ہے عالی جاہ، صبح سویرے اللہ میاں سے اپنا رزق مانگ رہا ہے۔'' ہوم منسٹر نے اپنی گنجی چندیا پر سے پسینہ پونچھ کر عرض کیا۔

''نہیں یہ لڑکا باغیوں کے گروہ سے معلوم ہوتا ہے۔'' ظل سبحانی نے بڑے مفکرانہ انداز میں آہستہ سے کہا۔

''ایسا لگتا ہے کچھ لوگ ملک میں ہمارے خلاف اللہ میاں سے سازش کر رہے ہیں۔

وزیرِ اعظم! ان تمام بھکاریوں کو پکڑ کر عمر قید کی سزا دو جو ہمارے بجائے ڈائریکٹ اللہ میاں سے اپنا رزق مانگتے ہیں۔''

''جی مناسب بندہ پرور۔'' وزیر اعظم نے اپنی ڈھیلی ڈھالی پتلون اوپر سرکا کے جلدی جلدی سنہرے فریم والے قرطاس پر.....

اب موسیقار نے اندھیرے کو مکمل شکست دے دی تھی اور کرنوں والے دیوتا نے چاروں اور اُجیالے کی پچکاریاں چھوڑنا شروع کر دی تھیں۔

ظل سبحانی اب کرسی کے تکیے سے ٹیک لگائے بڑے مدبّرانہ، مفکرانہ انداز میں داڑھی کھجانے لگے۔ پھر کسی خیال کے آتے ہی وہ چونک پڑے اور سونے کے نقش ونگار والی کرسی کے ہتّھے پر ہاتھ مار کے فرمایا۔

''وزیر اعظم! ہمارے ملک میں کسی کے ساتھ ناانصافی تو نہیں ہورہی ہے۔ کوئی ظالم ہماری رعایا کو پریشان تو نہیں کررہا ہے.....؟''

''بالکل نہیں عالی جاہ''۔ تمام درباریوں نے ظلِ سبحانی کی طرف جھک کر بہ آواز بلند کورس گایا۔

ظل سبحانی یہ سن کر مسکرائے اور ادھر ادھر دیکھ کر فرمایا۔

''یہ..... یہ گرمی کیوں ہورہی ہے اس وقت.....؟''

یہ سنتے ہی مورچھل تھامنے والی نے پتھر کی مورتیوں کے ہاتھ آہستہ آہستہ مورچھل ہلانے لگے۔

''عالی جاہ، آج اگر نکلتے سورج کا حسن ملاحظہ فرمالیتے تو بہتر تھا۔ کیوں کہ اب دھوپ میں تیزی آرہی ہے۔'' شاعر نے بڑے افسوس کے ساتھ ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''اچھا! یہ گستاخ سورج ہمارے سامنے تیزی دکھا رہا ہے.....؟'' اچانک ظلِ سبحانی چلانے لگے..... ''وزیر اعظم! سورج کو ابھی شوٹ کر دو ہمارے سامنے اور اس احمق شاعر کا بھی سر قلم کردو، جس نے ہمیں اس خودسر سورج کو دکھانے کی زحمت دی.....''

ڈھیلی ڈھالی پتلون کو توند پر سرکا کے وزیر اعظم نے فوراً دو فائر کئے..... دھائیں..... دھائیں.....

اچانک سارے ملک میں اندھیرا چھا گیا..... کیوں کہ دوسرے فائر کی زد میں سورج کی بجائے بھیرویں کے وہ سُر آ گئے تھے، جو روزانہ آکاش اور پاتال کی گہرائیوں سے سورج کو کھوج نکالتے تھے۔

الفاظ ومعانی

چھپرکھٹ چھتری دار پلنگ **مورچھل** موروں کے پروں کا چنور جس سے مکھیاں اُڑاتے ہیں۔ **سرشاری** مستی، مدہوشی **ماما** خادمہ، کنیز، باندی، لونڈی **ملعون** لعنت کیا گیا، نکالا گیا **احمق** بیوقوف، نادان **خلعت** وہ پوشاک جو بادشاہ کی طرف سے بطور عزت افزائی ملے، تحفہ **مدبّرانہ** دانشمندانہ **جوت جگانا** چراغ روشن کرنا **سٹپٹانا** حران ہونا، گھبرانا **تھرتھر کانپنا** خوف سے کانپنا **رعشہ طاری ہونا** کپکپی طاری ہونا، کانپنا **سر پر پانو رکھ کر بھاگنا** بے تحاشا بھاگنا، بہت تیز بھاگنا **ہاتھ دھونا** آس توڑ بیٹھنا **قرطاس** کاغذ۔

مشق

1. **دیے گئے سوالوں کے ایک جملے میں جواب دیجیے :**

(1) موسیقار کو کہاں بٹھایا گیا ؟

(2) جہاں پناہ نے کیا ارادہ ظاہر کیا ؟

(3) ''زلفِ شب کمر تک لہرانے لگی'' سے کیا مراد لی گئی ہے؟

(4) جہاں پناہ کو نکلتے سورج کا حسن ملاحظہ فرمانے کا ارادہ کیوں ہوا ؟

(5) وزیر اعظم نے ہوم منسٹر کو ظل سبحانی کا کونسا حکم سنایا ؟

(6) گستاخ سورج کو ظلِ سبحانی نے کیا سزا فرمائی ؟

2. **دیے گئے سوالوں کے دو تین جملوں میں جواب دیجیے:**

(1) ظلِ سبحانی کے نظارے کے لیے کیا کاروائی کی گئی ؟

(2) ظلِ سبحانی کی نظر میں ملک کی بدنامی کی وجہ کیا ہے؟ اور اُسے روکنے کے لیے کیا حکم دیا ؟

(3) سفید اونچی بلڈنگ پسند آنے پر ظلِ سبحانی نے کیا حکم جاری کیا ؟

(4) ظلِ سبحانی نے ہاسٹل کی لڑکیوں اور ان کے والدین کی کس طرح مدد کی ؟

(5) بھکاری کے اللہ میاں سے رزق مانگنے پر عالی جاہ نے کیا فرمایا ؟

(6) سورج کے طلوع اور غروب ہونے پر عالی جاہ نے کیا حکم دیا ؟ کیوں

3. **دیے گئے محاوروں کو جملے میں استعمال کیجیے:**

(1) جوت جگانا۔

(2) تھرتھر کانپنا۔

(3) سر پر پانو رکھ کر بھاگنا۔

(4) ہاتھ دھونا۔

●

8 قصیدہ

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ

پیدائش : 1789ء، دہلی　　　　وفات : 1854ء، دہلی

شیخ محمد ابراہیم نام، ذوقؔ تخلّص، والد کا نام شیخ محمد رمضان تھا، دہلی میں پیدا ہوئے، حافظ غلام رسول سے تعلیم حاصل کی۔ غلام رسول خود بھی شاعر تھے جس کی وجہ سے ذوقؔ بھی شعر گوئی کی طرف راغب ہوئے۔ اس وقت بہادر شاہ ظفرؔ ولی عہد سلطنت تھے، انہوں نے بیس سالہ ذوقؔ کو اپنا استاد مقرر کیا اور انہیں 'خاقانیٔ ہند' کے خطاب سے سرفراز کیا۔ ظفرؔ کی تخت نشینی کے بعد ذوقؔ ملک الشعراء مقرر ہوئے۔

ذوقؔ کا دیوان زیادہ تر قصائد اور غزلیات پر مشتمل ہے۔ چونکہ ذوقؔ ایّام جوانی سے لے کر وفات تک دربار سے وابستہ رہے تھے۔ اس لئے اُن کے زیادہ تر قصائد بادشاہوں کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔ اس صنف پر ذوقؔ کو قدرت حاصل کی تھی اور اکثر ناقدین انہیں سوداؔ کے بعد سب سے بڑا قصیدہ نگار مانتے ہیں۔

ذوقؔ کا بیشتر کلام غدر کے ہنگامے میں ضائع ہوگیا۔ اُن کے شاگرد مولانا محمد حسین آزاد نے اُن کے دوسرے شاگردوں، حافظ ویرانؔ، انورؔ اور ظہیرؔ کی مدد سے ایک مختصر دیوان مرتّب کر کے شائع کیا جس میں بارہ سو اشعار پر مشتمل غزلیات اور پندرہ قصائد شامل ہیں۔

کنجِ حیرت میں کروں، علم خموشی تحصیل
یہ عجب مَدرسہ ہے، جس میں نہ ہے قال نہ قیل

درس توحید سے لوں، ایک شِفا کا نسخہ
بحث میں، عِلّت ومعمول کی، ہے عقل علیل

جلوہ افروزی یک بدرِ دُجیٰ ہے، اس کو
شمعِ فانوس سمجھ، خواہ چراغِ قندیل

فکر بیہودہ میں، کس واسطے ہے تو پابند
کچھ نکال، اپنے لیے، ذوقؔ نکلنے کی سبیل

خوابِ غفلت سے ہو بیدار کہ آئی پیری
نہیں مہتاب، یہ ہے روشنیِ صبحِ رحیل

عرصۂ عمر ہے وہ تار، کھینچا اور ٹوٹا
کچھ، اگر وقت معیّن کی طرف سے ہو نہ ڈھیل

غمِ عصیاں ہے، تو ہے رحمتِ غفار وسیع
فکرِ روزی ہے، تو ہے رِزق کا رزّاق کفیل

ہے تمنّاے زرومال، تو سب جائے گا چھوڑ
چھوڑ انے کو تو کافی ہے، فقط ذکر جمیل

پھر، بہارِ چمنِ عمر میں، دل گیر ہے کیوں
سیر کر سیر کہ ہے فُرصتِ گُل گشت قلیل

تہنیت خواں ہو تو، آج اُس شہِ دریا دل کا
جس کے نزدیک، ہیں اک قطرے سے کم، قلزم ونیل

وہ بہادر شہِ والا نسب وپاک گہر
خُسرو چرخ سریر وشہِ خورشید اکلیل

ماہِ نَوْ چشمِ زدن میں، مہ کامل ہو جائے
نظرِ مہر میں اُس کی ہے وہ نورِ تکمیل

نور معنی ہے، بہ ہر شکل، نتیجہ اس کا
اللہ اللہ رے، زہے شکل شہنشاہِ شکیل

مدرحِ حاضر میں، پڑھوں مطلعِ روشن ایسا
مطلعِ شمس کو بھی، جس کی ہو واجب تجبیل